بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وحدۃ الوجود

احمد علی رضا قادری

بفیضان

کرم

شمس العارفین

حضرت پیر سید جعفر علیؒ شاہ

گیلانی قادری

بفیضان

نظر

پیر سید سیف اللہ خالد گیلانی قادری

سجادہ نشین دربار قادریہ غوثیہ کوٹلی

نارووال

انتساب

حضرت مولانا حسین بن منصور حلاجؒ

حضرت مولانا محی الدین ابن عربیؒ

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ

احمد علی رضا قادری

حسن ترتیب وحدۃ الوجود

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۰۱	من نیم ہمہ اوست	۱۰
۰۲	معبود و عابد	۱۲
۰۳	وجود	۱۳
۰۴	مراتب وجود	۱۶
۰۵	کمالات وجود	۲۰
۰۶	احدیت	۲۵
۰۷	وحدت	۲۸
۰۸	واحدیت	۳۱
۰۹	اعیان ثابتہ	۳۴
۱۰	تنزیہہ و تشبیہ	۳۷
۱۱	روحی	۴۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۲	مثال	۴۹
۱۳	اجسام	۵۳
۱۴	انسانیہ	۵۶
۱۵	سر آدم و عالم	۶۴
۱۶	انا احمد ﷺ بلا میم	۶۹
۱۷	حدیث نور	۷۰
۱۸	قرب	۷۷
۱۹	فنا	۸۰
۲۰	وحدۃ الوجود	۸۲
۲۱	توحید	۱۰۲
۲۲	وحدۃ الوجود اشعار کے آئینہ میں	۱۰۷
۲۳	کل ما فی الکون وہم او خیال	۱۱۰
۲۴	اللہ نور السموات والارض	۱۲۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۵	حواس خمسہ	۱۲۸
۲۶	موجود	۱۴۱
۲۷	عالم جلوہ گاہِ حق	۱۴۳
۲۸	عشق	۱۴۶
۲۹	تصحیح خیال	۱۴۹
۳۰	توفیق	۱۵۱
۳۱	حرکت دوری	۱۵۳
۳۲	خواب	۱۵۵
۳۳	شطیحات	۱۵۷
۳۴	الہامات قلبی و کشف معنوی	۱۶۰
۳۵	منقبت	۱۸۵
۳۶	دعا	۱۸۶
۳۷	کتابیات	۱۸۹

کَمَا قَالَ اَبِیْ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِی اِبْنِ اَبِیْ طَالِبِ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہُہ۔

جیسے میرے والد امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ نے فرمایا ہے۔

داء ک فیک وما تشعر　　　دواء ک منک وما تبصر

تیری بیماری تجھ میں ہے تو نہیں سمجھتا۔ دوا تیری تجھی سے ہے تو نہیں دیکھتا۔

و تزعم انک جرم صغیر　　　و فیک انطوی العالم الاکبر

تو گمان کرتا ہے کہ تو جرم صغیر ہے حالانکہ تجھ میں ایک بڑا عالم (جہان) سمایا ہوا ہے۔

و انت الکتاب المبین الذی　　　باحرفہ یظھر المضمر

اور تو وہ کتاب مبین ہے جس کے حروف سے تمام مضمرات ظاہر ہوتے ہیں۔

فلا حاجۃ لک من خارج　　　وفکرک فیک وما تفکر

تجھے باہر سے کوئی حاجت نہیں تیرا فکر تجھ میں ہے اور تو نہیں فکر کرتا۔

تصنیف لطیف حضرت امام حسینؓ شہید کربلا مراۃ العارفین

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ہستم
پیشوائے تمام رندانم
کہ سگ کوئے شیرِ یزدانم (بو علی قلندرؒ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ

وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ

وَالصَّلٰوۃ عَلَی الۡمَظۡہَرِالۡاَتَمِّ مُحَمَّدٍ وَّ

اٰلِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

الحمدللہ منشی الخلق من عدم

ثم الصلوٰۃ علیٰ المختار فی القدم

مولا ی صل وسلم دائما ابدا

علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

من نیم ہمہ اوست

پاک ہے وہ ذات جمیل کہ اس کا نمود ہی اس کے چہرۂ ظہور کا نقاب ہے۔ اور اس کا غلبہء ظہور ہی اس کے جمال حقیقت بطون کا حجاب ہے۔ اے منازلِ معرفت کے راہر و بھائی اگر تجھے ہزار سال کی زندگانی بخش دیں اور (اپنی زندگی میں) تو ہر انواع واقسام کی عبادتوں سے سلوک کا راستہ طے کرتا رہے۔ ہر چند کہ یہ (تیری جدوجہد نتائج میں) درجات عالیہ کے حصول کا موجب اور اثرات میں کشف و کرامات کا باعث ہو گی۔ لیکن (مقصودِ اصلی) محبوبِ ازلی کا قُرب و وصل اور شاہد لم یزلی کا مشاہدہ سوائے طریقہء سلوک ہستی ذات (حقیقت) کے سامنے خودی موہوم اور حجاب تعین کو مٹانے اور بغیر وصول سر حدِ فناء (منشاء واحکام و آثار وجودِ ظلّی سے قطع نظر کر کے وجودِ حقیقی کو پیشِ نظر کرنے) کے۔ جو کہ سب اشغال سلوک طریقت کے لیے بمنزلہ چھلکا اتار کر مغز بر آوردہ کے ہے، حاصل نہیں کر سکتا۔

(حضرت پیر مہر علی شاہؒ صاحب)
(تحقیق الحق فی کلمۃ الحق)

ہیچ کس را تا نگردد او فناء　　نیست را در بارگاہِ کبریاء

ترجمہ:۔ کسی شخص (طالبِ معرفت) کو جب تک وہ اپنی خودی موہومہ کو حقیقتِ غالبہ کے آگے فنا نہ کرے اور کالعدم قرار نہ دے۔ بارگاہِ کبریاء (متعالی) میں راہ نہیں ملتا۔

تو مباش اصلاً کمال این است و بس   رود روگم شو وصال این است و بس

(حضرت فرید الدین عطارؒ)

وصال این جائیکہ رفع خیال است   چو غیر از پیش بر خیزد وصال است

(گلشن راز)

ترجمہ: یعنی غیر کے تصور اور اپنی انانیت کے تصور کے اٹھ جانے کو وصال کہا جاتا ہے

خودی کو مٹا دے یہی ہے کمال   تو خود کو فنا کر یہی ہے وصال

کہ تو اپنی ہستی موہومہ کو قطعاً مٹا دے اور خود بینی کا وہم دور کر دے بس اسی کا نام کمال طلب ہے اور منازل سلوک و مشاہدِ عشق میں حجابِ خود بینی کو فنا کر دے بس اسی استغراق کا نام وصال ہے۔

ہزار سال کرے گر کوئی رکوع و سجود   نگاہ بر رخِ جاناں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اندر توہیں باہر توہیں روم روم وچ توں

توہیں تانا توہیں بانا سب کُجھ میرا توں

کہے حسین فقیر نماناں میں ناہیں سب توں

(حضرت شاہ حسینؒ لاہوری)

معبود و عابد

والعبد عبد وان ترقیٰ الرب رب و ان تنزل

ترجمہ:۔ رب رب ہی ہے اگرچہ نزول کرتا ہے اور بندہ بندہ ہی ہے اگرچہ عروج کرتا ہے ظہور سے مراد حق کا نزول مرتبہءانسانی تک ہے اور عروج سے مراد عبد کی ترقی مرتبہءاول تک ہے۔ پھر باوجود اس نزول اور عروج کے حق حق ہی ہے اور عبد عبد ہی ہے۔

(حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ)

بندہ خواہ کتنا عروج پالے بندہ ہے خدا خواہ کتنا نزول فرمائے خدا ہے

وجود

اِعْلَمُوْا اِخْوَانِیْ اَسْعَدَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ اِیَّانَا ۔ اِنَّ الْحَقَّ سُبْحَانَہ وَ تَعَالٰی هُوَ الْمَوْجُوْدُ الْمُطْلَقُ۔ وَ اِنَّ ذَالِکَ الْوُجُوْدُ لَیْسَ لَہ شَکْلٌ وَلَا حَد وَلَاحَصْر وَ مَعَ هٰذَا اَظْهَرَ وَتَجَلّٰی بِالْعَدِّ وَ الشَّکْلُ ۔وَلَمْ یَتَغَیَّرْ عَمَّا کَانَ مِنْ عَدَمِ الشَّکْلِ وَعَدَمِ الْعَدِبَلِ الْاٰنَ کَمَا کَانَ وَ اِنَّ الْوُجُوْدَ وَ احِد و الْاَلْبَاسَ مُخْتَلِفَۃ وَ مُتَعَدِّدَۃ۔ وَ اِنَّ ذَالِکَ الْوُجُوْدَ حَقِیْقَۃُ جَمِیْعِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَ بَاطِنُهَا وَ اِنَّ جَمِیْعِ الْکَائِنَاتِ لَا یَخْلُوْا عَنْ ذٰلِکَ الْوُجُوْد وَاِنَّ ذَالِکَ الْوُجُوْدَلَیْسَ بِمَعْنَی الْحَقِّقِ وَالْحُصُوْلِ الَانَّهُمَا مِنَ الْمَعَانِی الْمَصْدَرِیَّۃ لَیْسَتَا مِنَ الْوُجُوْدَ یِنْ فِی الْمَخَارِجِ ۔ فَلَا یُطْلَقُ الْوُجُوْد بِهٰذَا لْمَعْنٰی عَلَی الْحَقِّ الْمَوْجُوْد فِی الْخَارِجِ تَعَالٰی عَنْ ذٰلِکَ عَلُوَّ ا کَبِیْرا ۔ بَلْ عَنَیْنَا بِذَالِکَ الْوُجُوْد الْحَقِیْقَۃ الْمُتَّصِفَۃَ بِهٰذِہ الصِّفَاتِ اَعْنِیْ وَجُوْدِهَا بِذَاتِهَا ۔ وَوَجُوْدَ سَائِرِالْمَوْجُوْدَاتِ بِهَا۔ وَ انْتِغَآء غَیْرِ هَا فِی الْخَارِجِ۔

وَ اِنَّ ذٰلِکَ الْوُجُوْد مِنْ حَیْثُ الْکُنْہ لَا یَنْکَشِفُ لَاحَد لَا یُدْرِکْہُ الْعَقْلُ وَلَا الْوَهْمُ وَلَا الْحَوَاسُ وَلَا یَاتِیْ فِی الْقِیَاسِ لَا نَّ کُلَّهُنَّ مُحْدَ ثَات وَالْمُحْدثُ لَا یُدْرِکَ اِلَّا الْمُحْدَثَ تَعَالٰی ذَاتُہ وَ صِفَاتُہ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوَّ ا کَبِیْرا۔ وَمَنْ اَرَادَ مَعْرِفَتَہ مِنْ هٰذَا الْوَجْہِ وَسَعٰی فِیْہِ فَقَدْ ضَیَّعَ وَقْتَہ۔

ترجمہ: برادران من! اللہ تعالیٰ تمھیں اور ہمیں سعادت سے ہمکنار کرے، جان لو کہ حق سبحانہ، و تعالیٰ ہی" وجود مطلق" ہے۔ وہ ایسا وجود ہے کہ جس کے لیے نہ کوئی شکل ہے نہ کوئی حد و حصر۔ اس کے باوجود اس نے حد اور شکل میں ظہور و تجلی فرمائی۔ پھر بھی اس کے بے صورت و بے حد ہونے میں کوئی تغیر نہیں آیا بلکہ وہ جیسا تھا ویسا کا ویسا ہے۔ الآن کما کان۔

وجود واحد ہے لیکن لباس مختلف اور متعدد ہیں۔ یہی وجودِ واحد تمام موجودات کی حقیقت اور ان کا باطن ہے۔ کائنات جتنی بھی ہے، تمام تر، اس وجود سے کہیں خالی نہیں۔ یہ "وجود" تحقق اور حصول کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں مصدری معنی ہیں اور خارج میں موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا (لفظ) وجود کا اطلاق حق تعالیٰ پر، جو خارج میں موجود ہے نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی شان اس سے بہت بلند و برتر ہے۔ ہماری مراد اس وجود سے ایسی حقیقت ہے جو ان صفات سے متصف ہے، اس کا وجود اس کی ذات سے ہے اور تمام موجودات کا وجود اسی سے ہے اور خارج میں اس کا غیر نہیں ہے۔ نیز یہ کہ یہ وجود اپنی کنہ کے لحاظ سے کسی پر منکشف نہیں ہے۔ عقل، وہم یا حواس اسکا ادراک نہیں کرسکتے نہ ہی وہ قیاس میں آتا ہے، کیونکہ یہ سب محدثات ہیں اور محدث کے ادراک میں صرف محدث ہی آسکتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات اور صفات اس سے بہت بلند و برتر ہے۔ جس شخص نے اس جہت سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور اس میں کوشش کی تو اس نے اپنا وقت ضایع کیا۔

حضرت ابوسعید مبارک مخزمیؒ

(تحفہ مرسلہ)

وجود کے لغوی معنی ذات اور ہستی کے ہیں۔

ولیس مجسم ولا جوہر ولا عرض ولا مصور و مرکب ولا معدود ولا محدود ولا فی جہۃولا فی المکان ولا فی الزمان۔

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ کی مطلق ذات نہ تو کوئی جسم رکھتاہے،نہ جوہر ہے،نہ عرض ہے، نہ مصور و مرکب ہے،نہ تو اس میں کوئی تعدد یا اسکا شائبہ ہے، نہ محدود ہے،نہ ہی کسی جہت میں ہے نہ ہی کسی جگہ (مکان) میں ہے اور نہ ہی کسی زمانے میں ہے۔

(حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی)

(تکمیل الایمان)

حق تعالیٰ واجب الوجود یعنی وجودِ مطلق ہے اس وجود کے لیے نہ کوئی شکل ہے نہ حد نہ حصر اور یہ وجود واحد ہے اور لباس متعدد اور مختلف ہیں اور یہ وجود جمیع موجودات کی حقیقت ہے۔ کوئی شے اس وجود سے خالی نہیں اور وجود اسکا خود بخود اور کل موجودات میں ہویداء ہے۔

خارج میں بھی اسکے سوا کچھ نہیں اور اس وجود کے کئی لباس ہیں۔

(حضرت شاہ گل حسن صاحب قلندر قادری)

(تعلیم غوثیہ)

مراتب الوجود

وَ اِنَّ ذٰلِکَ الْوُجُوْدِ مَرَاتِبُ کَثِیْرَۃ۔

اَلْمَرْتَبَۃُ الْاُوْلٰی مَرْتَبَۃُ اللَّا تَعَیُّنِ وَالْاِطْلَاقِ وَ الذَّاتِ الْبَحْتِ لَا بِمَعْنٰی اِنَّ قَیْدَ الْاِطْلَاقَ وَمَفْھُوْمُ سُلْبِ التَّعَیُّنِ ثَابِتَانِ فِیْ تِلْکَ الْمَرْتَبَۃ ۔ بَلْ بِمَعْنٰی اَنَّ ذٰلِکَ الْوُجُوْدَ فِیْ تِلْکَ الْمَرْتَبَۃ مُنَزَّۃ عَنْ اِضَافَۃِ النُّعُوْتَ وَمُقَدَّس عَنْ کُلِّ قَیْدَ حَتّٰی قَیْدَ الْاِطْلَاقِ اَیْضاً۔ وَ ھٰذِہِ الْمَرْتَبَۃُ تُسَمّٰی بِالْمَرْتَبَۃ الْاَحَدِیَّۃ وَ ھِیَ کُنْہُ الْحَقِّ سُبْحَانَہ وَ تَعَالٰی ۔ وَ لَیْسَ فَوْقَھَا مَرْتَبَۃ اُخْرٰی بَلْ کُلُّ الْمَرَاتِبِ تَحْتَھَا۔

وَلْلمَرْتَبَۃ الثَّانِیَۃ مَرْتَبَۃ التَّعَیُّنِ الْاَوَّلِ وَ ھِیَ عِبَارَۃ عَنْ عِلْمِہ تَعَالٰی لِذَاتِہ وَ صِفَاتِہ وَ بِجَمِیْعِ الْمَوْجُوْدَاتِ عَلٰی طَرِیْقَ الْاَجْمَالِ مَنْ غَیْرِ اِمْتِیَازِ بَعْضِھَا عَنْ بَعْضٍ ط وَ ھٰذِہِ الْمَرْتَبَۃُ تُسَمّٰی بِالْوَحْدَۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہ وَ اَصْحَابِہ وَسَلَّمَ۔

وَالْمَرْتَبَۃُ الثَّالِثَۃ مَرْتَبَۃُ التَّعَیُّنِ الثَّانِیْ وَ ھِیَ عِبَارَۃ عَنْ عِلْمِہ تَعَالٰی لِذَاتِہ وَصِفَاتِہ وَ بِجَمِیْعِ الْمَوْجُوْدَاتِ عَلٰی طَرِیْقِ التَّفْصِیْلِ ط وَ اِمْتِیَازِ بَعْضِھَا عَنْ بَعْضِ وَ ھٰذِہِ الْمَرْتَبَۃُ تُسَمّٰی بِالْوَاحِدِیَّۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ الْاِنْسَانِیَّۃ۔

وَالْمَرْتَبَةُ الرَّابِعَةُ مَرْتَبَةُ الْاَرْوَاحِ وَهِيَ عِبَارَة عَنِ الْاَشْيَاءِالْكَوْنِيَةِ الْمُجَرَّدَةِ الْبَسِيطَةِ الّتِى ظَهَرَتْ عَلٰى ذوَاتِهَا وَ عَلٰى اَمْثَالِهَا۔

وَالْمَرْتَبَةُ الْخَامِسَةُ عَالَمُ الْمِثَالِ وَ هِيَ عِبَارَة عَنِ الْاَشْيَاءِالْكَوْنِيَةِ الْمُرَكّبَةِ اللّطِيفَةِ الّتِى لَا تَقْبَلُ التّجْزِىَ وَلَاالتّبْعِيْضَ وَلَا الفَرْقَ وَلَا الْالْتِيَامَ۔

وَالْمَرْتَبَةُ السَّادِسَةُ مَرْتَبَةُ عَالَمِ الْاَجْسَامِ وَ هِيَ عِبَارَة عَنْ الْاَشْيَاءِالْكَوْنِيَّةِ الْمُرَكّبَةِ الْكَثِيْفَةِ الّتِىْ يُقْبَلُ التّجْزِىّ وَ التّبْعِيْضَ ۔

وَالْمَرْتَبَةُ السَّابِعَةُ مَرْتَبَةُ الْجَامِعِيَّةِ الْجَمِيْعِ الْمَرَاتَبِ الْمَذْكُوْرَةِ الْجِسْمَانِيَّةِ وَالنُّوْرَانِيَةِ الرُّوْحَانِيَّةِ وَالْوَاحِدَةِ وَالْوَاحِدِيَّةِ وَ هُوَ التّجَلّى الْاَخِيْرَةِ وَ اللّبَاسُ الْاَخِيْرَةِ وَ هِيَ الْاِنْسَانُ۔

اَلْاُوْلٰى مِنْهَا هِيَ مَرْتَبَةُ الَّا ظُهُوْرِ۔ وَالسّتّةُ الْبَاقِيَّةُ مِنْهَا هِيَ مَرَاتِبُ الظّهُوْرِ الْكُلّيَةِ۔ وَالْاَخِيْرَةُ مِنْهَا اَعْنِى الْاِنْسَانُ ۔ اِذَا عَرَجَ ظَهْرَ فِيْهِ جَمِيْعُ مَرَاتِبِ الْمَذْكُوْرَةِ مَعَ اِنْبِسَاطِهَا يُقَالُ لَه الْاِنْسَانُ الْكَامِلُ وَالْعُرُوْجُ وَالْاِنْبِسَاطُ عَلَى الْوَجْهِ الْاَكْمَلِ كَانَ فِىْ نَبِيّنَا صَلّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَ اٰلِه وَسَلّمَ وَ لِهٰذَا كَانَ صَلّ اللّٰہُ عَلَيْهِ وَ اٰ لِه وَسَلّمَ خَاتَمَ النّبِيّيْنَ۔

وَ اِنّ اَسْمَآءَ مَرَاتَبِ الْاَلُوْهِيّةِ لَا يَجُوْزُ اِطْلَاقُهَا عَلٰى مَرَاتَبِ الْكَوْنِ وَ الْخَلْقِ۔ وَكَذَا لَا يَجُوْزُاِطْلَاقُ مَرَاتِبِ الْكَوْنِ وَ لْخَلْقِ عَلٰى مَرَاتَبِ الْاَلُوْهِيّةِ۔

ترجمہ: اس وجود کے بہت سے مراتب ہیں۔ ان میں سے پہلا مرتبہ لاتعین، اطلاق یا ذاتِ بحت کا ہے۔ یہ نہیں کہ اطلاق کی قید یا پابندی اور سلبِ تعین کا مفہوم اس مرتبہ میں ثابت ہے۔ بلکہ یہ مرتبہ ان معنیٰ میں لاتعین ہے کہ وجود اس مرتبے میں ہر قسم کی صفات کی نسبت سے منزہ اور ہر قید سے حتیٰ کہ اطلاق کی قید سے بھی پاک ہے۔ اس مرتبہ کو مرتبہ " احدیت " بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ حق سبحانہ ' وتعالیٰ کی کنہ ہے۔ اس مرتبہ سے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں بلکہ جملہ مراتب اس کے تحت ہی ہیں۔

دوسرے مرتبہ کو ' ' مرتبہ تعین اول " کہتے ہیں۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات وصفات کو ... ایک دوسرے میں امتیاز کیے بغیر اور اجمالی طور پر.... جاننا ہے۔ اسے "مرتبۂ وحدت " اور " حقیقتِ محمدیہ " بھی کہتے ہیں۔

تیسرے مرتبہ کو "مرتبۂ تعین ثانی " کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یعنی ذات وصفات کو اور جملہ موجودات کو.... تفصیلی طور پر اور ایک دوسرے میں امتیاز کے ساتھ.... جاننا ہے۔ اسے "واحدیت " اور "حقیقت انسانیہ " بھی کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں مراتب قدیم ہیں۔ ان کا آگے پیچھے ہونا عقلی ہے، زمانی نہیں ہے۔

چوتھا مرتبہ " مرتبۂ ارواح " ہے۔ اس سے مراد وہ مجرد اور بسیط کونی اشیاء ہیں جو اپنی ذوات اور امثال پر ظاہر ہوتی ہیں۔

پانچواں مرتبہ " عالمِ مثال " کا ہے۔ اس سے مراد اشیائے کونیہ مرکبہ لطیفہ ہیں جو نہ تو اجزا میں تقسیم ہوتی ہیں، نہ انکے ٹکڑے کیے جاسکتے ہیں
اور نہ وہ فرق والتیام (یعنی پھاڑنے اور جوڑنے) کا عمل قبول کرتی ہیں۔

چھٹا مرتبہ"عالمِ اجسام" کا ہے۔اور یہ "ان اشیائے کونیہ مرکبہ کثیفہ" سے عبارت ہے جو تجزی اور الگ الگ ہونے کا عمل قبول کرتی ہیں۔

ساتواں مرتبہ ان تمام مراتبِ مذکورہ.....جسمانی، نورانی، روحانی، واحدت اور واحدیت....کا جامع ہے، یہ سب سے آخری تجلی اور سب سے آخری لباس ہے اسے "انسان" کہتے ہیں۔

ان مراتب میں پہلا مرتبہ "لا ظہور" کا مرتبہ ہے۔باقی چھ کے چھ مراتب ظہور کلّیہ کے ہیں۔ان میں سے اَخیر مرتبہ، یعنی انسان جب عروج کرتا ہے تو اس میں تمام مذکورہ مراتب اپنے پورے پھلاؤ کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔اس کو "**انسان کامل**" کہا جاتا ہے۔یہ عروج اور جملہ مراتب کا پھیلاؤ کامل طور پر ہمارے نبی کریم ﷺ میں ظاہر ہوا۔اس بنا پر آپ خاتم النبیین کہلائے۔

مراتب الوہیت "کے اسماء کا مراتبِ کون و خلق پر بولنا جائز نہیں۔اس طرح مراتبِ کون و خلق کا" مراتب الوہیت پر اطلاق جائز نہیں ہے۔

حضرت ابو سعید مبارک محزومیؒ

(تحفہ مرسلہ)

کمالات وجود

وَاِنّ لِذَالِکَ الْوُجُوْدِ کَمَا لَیْنِ۔ اَحَدُ ھُمَا کَمَال ذَاتِیٌ وَ ثَانِیْھُمَا کَمَال اَسْمَآئِیُ ۔ اَمَّا الْکَمَالُ الذَّاتِیْ فَھُوَ عِبَارَۃ عَنْ ظُھُوْرِہٖ تَعَالٰی عَلٰی نَفْسِہٖ بِنَفْسِہٖ فِیْ نَفْسِہٖ لِنَفْسِہٖ بِلَا اِعْتِبَارِ الْغَیْرِ وَ الْغَیْرِ یَّتِہٖ وَ الْغِنَآءُ الْمُطْلَقُ لَا زِم بِھٰذَا الْکَمَالِ وَ مُعْنِی الْغِنَآءُ الْمُطْلَقُ مُشَاھِدَتُہٗ تَعَالٰی فِی نَفْسِہٖ جَمِیْعُ الشُّیُوْنِ وَ الْاِعْتِبَارَات الْاَلٰھِیَّۃِ وَ الْکِنَانِیَّۃِ مَعَ اَحْکَامِھَا وَ لَوَ ازِمِھَا وَ مُقْتَضِیَا تِھَا عَلٰی وَ جْہِ کُلِّیِّ جُمْلِیِّ لِانْدَارِجِ الْکُلّ فِیْ بُطُوْنِہٖ وَ وَحْدَتِہٖ ۔ کَانْدِرَاجِ جَمِیْعِ الْاَعْدَادِ فِی الْوَاحِدِ الْعَدَدِیّ۔ وَ اِنَّمَا سُمِّیَتْ غِنَآءَ مُطْلَقًا لِاَنَّہٗ تَعَالٰی بِھٰذِہِ الْمُشَاھِدَۃِ مُسْتَغْنِی عَنْ ظُھُوْرِ الْعَالَمِ لِاَنَّہٗ عَلٰی وَجْہِ التَّفْصِیْلِ لَا حَاجَۃَ لَہٗ فِیْ حُصُوْلِ الْمُشَاھِدَۃِ اِلَی الْعَالَمِ وَ مَا فِیْہِ۔ لِاَنّ الْمُشَاھِدَۃِ جَمِیْعِ الْمَوْجُوْدَاتِ حَاصِلَۃ لَہٗ تَعَالٰی عِنْدَ اِنْدِرَاجِ الْکُلّ فِیْ بُطُوْنِہٖ وَ وَ حْدَتِہٖ وَ ھٰذِہٖ الْمُشَاھِدَۃَ تَکُوْنُ شُھُوْدًا عَیْنِیًا عِلْمِیًا۔ کَشُھُوْدِ الْمُفَصّلِ فِی الْجُمْلِ ۔ وَ الْکَثِیْرِ فِی الْوَاحِدِ۔ وَ النَّخْلِ مَعَ الْاَغْصَانِ وَ تَوَ ا

بعہا فی النّواۃ الواحدۃ۔ و اما الکمال الاسمآئی فھو عبارۃ عن ظھورہ تعالیٰ علیٰ نفسہ و شھود ذاتہ فی التعیّنات الخارجیّۃ اعنی العالم وما فیہ و ھٰذا الشّھود یکون شھودا اعیانیا و جودیا کشھود المجمل فی المفصّل و الواحد فی الکثیر و النّواۃ فی النّخلۃ و توابعھا و ھٰذا الکمال الاسمائی من حیث التّحقّق و الظّھور موقوف علیٰ و جود العالم وما فیہ لانّ معناہ السّابق لا یحصل الّا بظھور العالم علیٰ و جہ التّفصیل۔

و انّ ذالک الوجود لیس بحال فی الموجودات ولا متّحدا بھا۔ لانّ الحلول ولاتّحاد لا بدّلھما من الموجودین حتّی یحلّ احدھما فی الاٰخر و یتحدّا احد ھما بالاٰخر ۔ و الوجود واحد الاتعدّدلہ اصلا و انّما التّعدّد فی الصّفات علیٰ ما یشھد بہ ذوق العارفین و وجد انھم و انّ العبّودیّۃ والتّکالیف و الرّاحۃ والعذاب والاٰلام کلّھا راجعہ الیٰ التّعیّنات۔ وا نّ ذالک الوجود باعتبار مرتبۃ الاطلاق منزّۃ عن ھٰذہ الاشیآء کلّھا ۔ و انّ ذالک الوجود محیط بجمیع الموجودات کا حا طۃ الملزوم باللّازم و الموصوف بالصّفات لا کا حاطۃ الظّرف بالمظروف اوالکلّ بالجزء تعالیٰ عن علوّاکبیرا۔

وانّ ذالک الوجود کما انّہ با عتبار محض اطلاقہ سار فی ذوات جمیع الموجودات بحیث یکون ذالک الوجود فی تلک الذّوات عین تلک

الذّوَاتِ۔ کَمَا کَانَتْ تِلْکَ الذّوَاتُ قَبْلَ الظّھُوْرِ فِیْ تِلْکَ الْوُجُوْدِ عَیْنَ ذَالِکَ الْوُجُوْدِ کَذَالِکَ الصِّفَاتُ الْکَامِلَۃُ لِذَالِکَ الْوُجُوْدِ بِاعْتِبَارِ کُلِّیَّتِھَا وَ اِطْلَاقِھَا سَارٍ فِیْ جَمِیْعِ الْمَوْجُوْدَاتِ بِحَیْثُ تَکُوْنُ تِلْکَ الصِّفَاتُ الْکَامِلَۃُ فِیْ ضِمْنِ صِفَاتِ الْمَوْجُوْدَاتِ عَیْنَ صِفَاتِ الْمَوْجُوْدَاتِ۔ کَمَا کَانَتْ صِفَاتُ الْمَوْجُوْدَاتِ قَبْلَ الظّھُوْرِ فِی تِلْکَ الصِّفَاتِ الْکَامِلَۃِ عَیْنَ تِلْکَ الصِّفَاتِ الْکَامِلَۃِ ۔ وَ اِنَّ الْعَالَمَ بِجَمِیْعِ اَجْزَائِہٖ اَعْرَض وَ الْمَعْرُوْض ھُوَ الْوُجُوْدُ۔ وَاِنَّ لِلْعَالَمِ ثَلٰثُ مَوَاطِنَ اَحَدُ ھَا التَّعَیُّنُ الْاُوْلٰی وَ یُسَمّٰی فِیْہِ شُیُوْنًا وَ ثَانِیْھَا التَّعَیُّنُ الثَّانِیٌّ وَ یُسَمّٰی فِیْہِ اَعْیَانًا ثَابِتَۃَ۔ وَ ثَالِثُھَا فِی الْخَارِجِ وَ یُسَمّٰی فِیْہِ اَعْیَانًا خَارِجِیَّۃَ۔

ترجمہ:

وجود” کے لیے دو طرح کے کمالات ہیں۔ ایک کمال ذاتی، اور دوسرا کمال اسمائی ہے۔ کمال ذاتی سے” حق تعالیٰ کا ظہور اپنے آپ پر، اپنے آپ میں اور اپنے لیے ہے اِس میں غیر اور غیریت کا اعتبار نہیں اس کمال کے واسطے غنائے مطلق لازمی ہے۔

غنائے مطلق

یعنی حق تعالیٰ کا اپنے آپ میں تمام شیون اور اعتبارات الٰہیہ و کونیہ کا مع ان کے احکام ولوازم ومقتضیات کے کلّی اور اجمالی طور پر مشاہدہ فرمانا۔ کیونکہ یہ سب اس کے بطون اور اس کی وحدت میں مندرج ہیں جس طرح تمام اعداد ”واحد عددی“ کے اندر مندرج ہوتے ہیں۔

اس مشاہدہ کو غنائے مطلق اس لیے کہا گیا ہے کہ (اس مشاہدہ کے باعث) حق تعالیٰ ظہورِ عالم سے تفصیلی طور پر مستغنی ہے۔ اس کو حصول مشاہدہ کے لیے جہاں اور اس کی اشیاء کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات کا مشاہدہ بوجہ کل کے بطون و وحدت میں مندرج ہونے کے حاصل ہے۔ اور یہ مشاہدہ شہود عینی علمی کہلاتا ہے جیسے مفصل کا شہود مجمل میں ہوتا ہے یا کثیر کا واحد میں یا درخت کا شہود شاخوں، پتوں وغیرہ سمیت ایک گٹھلی میں ہوتا ہے۔

کمال اسمائی سے مراد حق تعالیٰ کا ظہور اپنے آپ پر اور اس کی ذات کا شہود تعیناتِ خارجیہ... یعنی عالم اور مافیہ.... میں ہے۔ اس شہود کو ''شہود اعیانی وجودی'' کہتے ہیں۔ جیسے مجمل کا شہود مفصل میں، واحد کا کثیر میں اور گٹھلی کا شہود درخت اور پھل پھول میں ہے۔ یہ کمال اسمائی تحقق اور ظہور کے لحاظ سے عالم (اور جو کچھ اس میں ہے) کی ہستی پر موقوف ہے کیونکہ اس کے جو معنی اوپر بیان ہوئے ہیں وہ عالم کے تفصیلی طور پر ظہور کے سوا حاصل نہیں ہوسکتے۔

وجود نہ تو موجودات میں حلول کئے ہوئے ہے اور نہ ان سے متحد ہے۔ کیونکہ حلول اور اتحاد کے لئے دو موجودوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ ایک دوسرے میں حلول کرسکے یا ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہوسکے۔ اور ''وجود'' تو صرف ایک ہے، اس میں تعدد اصلاً نہیں ہے۔ یہ تعدد جو نظر آتا ہے صفات میں ہے اس پر عارفوں کا ذوق اور وجدان شاہد ہے۔

عبودیت، تکالیف، راحت، عذاب اور آلام.... یہ سب تعینات کی طرف راجع ہیں۔ مرتبہ اطلاق کے اعتبار سے ''وجود'' ان سب اشیاء سے منزہ ہے۔

’’ وجود ‘‘ جملہ موجودات کو محیط ہے۔ یہ احاطہ ایسا ہے جیسا ملزوم کا اپنے لازم کو یا موصوف کا اپنی صفات کو ہوتا ہے۔ ایسا احاطہ نہیں جیسا ظرف کا اپنے مظروف کو یا کل کا اپنے جزو کو ہوتا ہے کیونکہ ذاتِ اُو تعالیٰ اس سے ارفع واعلیٰ ہے۔ جس طرح ’’وجود‘‘ اپنے اطلاقِ محض کے اعتبار سے جملہ موجودات کی ذاتوں میں سرایت کیے ہوئے ہے، اسی طرح "وجود" کی صفاتِ کاملہ بھی اپنی کلیت اور اطلاق کے اعتبار سے تمام موجودات میں ساری ہیں۔

وجود‘‘ کے موجودات کی ذاتوں میں ساری ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ ان ذاتوں میں ان کا عین ’’ ہے جیسا کہ وہ ذاتیں ظہور سے پہلے اس وجود میں اس کا عین تھیں۔ اسی طرح صفات کاملہ صفات موجودات کے ضمن میں صفات موجودات کی عین ہیں جیسا کہ وہ یعنی صفات موجودات اپنے ظہور سے پہلے صفات کاملہ میں ان کی عین تھیں۔

عالم اور اس کے جملہ اجزاء سب اعراض ہیں اور معروض صرف وجود ہے۔

اس عالم کے لیے تین مواطین ہیں۔

پہلے کو’’ تعین اولیٰ ‘‘ کہتے ہیں اور اس میں (عالم کو) شیون سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دوسرے ’’تعین ثانی‘‘ کہتے ہیں اور اس میں (عالم کو) اعیان ثابتہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تیسرا خارج میں ہے اور اس میں عالم کو اعیان خارجیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو سعید مبارک مخزومیؒ

(تحفہ مرسلہ)

احدیت

مرتبہء لاتعین

مرتبہ الاولیٰ اَلمَرتَبَۃُاَلّلا تعَیّنِ و الا طَلاقِ والذَات البَحت لا بِمَعنٰی اَنّ قَیدِ الا طَلاقِ و مَفہُوم سَلبِ التعیّنِ ثَابِتَانِ فِی تلکَ المَرتَبَۃ بَل مَعنٰی اَنَ ذَالکَ الوُجُوْدَ فِی تِلکَ المَرتَبَۃ مُنَزّہٌ عَنْ اِضَافَۃ النّحُوْت وَ مُقَدّسُ عَنْ کُلِ قَیدِ حَتّٰی قَیدَ الاِطلاقِ اَیضاََ وھٰذہِ المَرتَبَۃُ تُسَمّٰی بِالمَرتَبَۃ الاَ حَدِیّۃِ و ھِیَ کُنُہُ اَلحَقِ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالیٰ وَلَیْسَ فَوْقَھَا مَرْتَبَۃُ اُخْرٰی بَل کُلُّ الْمَرَاتِبِ تَحْتَھَا۔

ترجمہ:۔ پہلا مرتبہ لاتعین اور اطلاق اور ذات بحت کا ہے۔ یہ معنی نہیں کہ اطلاق کی قید اور تعین کی نفی کا مفہوم اس مرتبہ میں ثابت ہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ یہ وجود اس مرتبہ میں صفات کی نسبت سے بری اور ہر ایک قید سے..... یہاں تک کہ قید اطلاق سے بھی پاک ہے۔ اور اس مرتبے کا نام مرتبہ احدیت رکھا جاتا ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ پاک کی کنہ ہے۔ اور اسکے اوپر اور (دیگر) مرتبہ نہیں۔ بلکہ (باقی سب) تمام اس کے نیچے ہیں۔

(شیخ ابوسعید محمد مبارک معزمیؒ تحفہ مرسلہ شریف)

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیٌٔ

اگر اسی موجودہ وجود کو بغیر اعتبار کسی صفت یا صورت یا غیر صورت یا اسم یا نسبت یا تعین کے ملاحظہ کیا جائے اور کسی صفت کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس ذات کو ذات بحت (صرف ذات) اور ھستی اور احدیت کہتے ہیں۔ احد اسی ذات پاک کا اسم ہے اور لفظ اللہ اس اعتبار سے کل وجود اور بعض وجود پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ ذات احد میں کلّیت اور بعضیت کو بالکل دخل نہیں بلکہ یہی حقیقتِ وجود ہے۔

مولانا عبد العزیز قادری

(شارح تحفہ مرسلہ)

یہ مرتبہ ءلا تعین اس حد تک وراء الوراء ہے کہ اطلاق کی قید اور تعین کی نفی سے بھی بری ہے۔

جب وہ ذات اطلاق کی قید اور تعین کی نفی سے بری اور آزاد ہے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسم اور صفت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی ذات کو احد اور اسی مرتبہ کو احدیت کہتے ہیں۔

اس مرتبہ ءاحدیت جسے ذات بحت و عالم لاہوت و حقیقتِ ہویت بھی کہتے ہیں۔ اس مرتبہ میں ذات ہر تعریف اور ہر وصف سے بری ہے۔ اس مرتبہ سے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں بلکہ جملہ مراتب اس کے تحت ہی ہیں۔ اس مرتبہ میں نہ عبارت نہ اشارت۔۔۔

ذہن نشین رہے کہ ذات اور وجود ایک دوسرے کے غیر ہرگز ہرگز نہیں۔ یہ ایک ہی ہے۔

تنزلات و تعینات ایک ہی چیز ہیں۔ انکو مراتبِ الٰہیہ بھی کہتے ہیں۔
اسی ذاتِ لاتعین نے خود بخود چاہا کہ پہچانی جائے تو اسی ذات اقدس نے نزول پسند فرمایا اور مرتبہ بہ مرتبہ خود متعین فرمایا، درجہ بدرجہ اس نزول کو تعینات کہا جاتا ہے۔
محققین، صوفیاء، قدس، اسرارھم فرماتے ہیں کہ یہ تنزلات اور تعینات محض افہام و تفہیم کے لیے مقرر فرمائے گئے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو کوئی نزول فرمایا ہے اور نہ عروج۔ البتہ کشف کے ذریعے ذاتِ الٰہی کے سلسلے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے اولیاء عزام، قدس، اسرارھم نے ان کشفی معلومات کو اہل سلوک کے سامنے رکھا ہے۔

رحمھم اللہ اجمعین

اس مرتبہ کے دیگر نام:

ہاہوت، غیب الغیب، غیب مطلق، ذات مطلق، وجود بحت، وجود محض، احدیت ذات اور کنز مخفی ہیں۔

وحدت

تعین اول

اَلمرتبة الثانية مَرْتَبَةُ التَّعَيُّنِ الْاَوَّلِ وَهِيَ عِبَارَةُ عَنْ عِلْمِه تَعَالٰي لِذَاتِه وَ صِفَاتِه وَ بِجَمِيْعِ الْمَوْجُوْدَاتِ عَلٰي طَرِيْقَا لْاَجْمَالِ مِنْ غَيْرِ اِمْتِيَازِ بَعْضِهَآ عَنِ بَعْضٍ وَ هٰذَا لْمَرْتَبَةُ تُسَمّٰي بِالْوَحْدَةِ وَ الْحَقِيْقَتِ الْمُحَمْدِ يَّةِ ﷺ۔

ترجمہ:۔" اور دوسرا مرتبہ تعین اول کا مرتبہ ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات اور اپنی صفات اور تمام موجودات کو بعض سے امتیاز کئے بغیر اجمالی طور پر جان لینا ہے۔ اور یہ مرتبہ وحدت اور حقیقت محمدی ﷺ نام رکھا جاتا ہے"۔

شیخ ابو سعید محمد مبارک معزمیؒ
(تحفہ مرسلہ شریف)

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَ تُعْرَفْتَ عَلَيْهِمْ فِيْ اَعْرَفْنِيْ وَ اَعْرَفْتُ بِهِمْ۔

ترجمہ:۔ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو پیدا کیا خلقت کو اور میں نے انکو اپنا شناسا کیا، پس انہوں نے مجھ کو مجھ ہی سے پہچانا اور میں بسبب انکے پہچانا گیا۔

جب ذاتِ حق نے ارادہء ظہور کیا تو اول نورِ محمدی ﷺ ظہور میں آیا اس مرتبہ میں ذاتِ حق کا نام وحدت و حقیقتِ محمدی ﷺ رکھا تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو

اور حقیقتِ محمدی ﷺ ہی کل موجودات میں ظاہر ہے۔ تمام موجودات اسکا مظہر ہیں، اور یہی حقیقت تمام عالم کو پرورش کر رہی ہے۔

حقیقتِ محمدی ﷺ اپنی ظاہری صورت سے تمام عالم کی صورتوں کو پرورش کر رہی ہے۔ اور اپنے باطن سے عالم کے باطن کو پرورش کر رہی ہے۔

اور یہ شانِ ربوبیت اسکی حقیقت کی طرف سے ہے بشریت سے نہیں۔ بلکہ بشریت کی جانب سے وہ خود مربوب ہیں۔

چونکہ آنحضرت ﷺ جہتِ عبودیت کی طرف سے آیۃ:۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے

اور آپ ﷺ کی شانِ ربوبیت کی بابت آیۃ:۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۔کے ساتھ خبر دی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں خدا کے نور سے ہوں اور خلقت میرے نور سے ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا، یارسول اللہ ﷺ مجھ کو خبر دیجئے اول شے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ ۔اے جابر تحقیق اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی ﷺ کے نور کو پیدا کیا اور مجھ سے پہلے کوئی شے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء یعنی کل کائنات میرے نور سے پیدا فرمائی۔ لہٰذا کوئی شے نورِ محمدی ﷺ کے بغیر ہے ہی نہیں۔

اے محبوب ﷺ اگر میں تجھ کو پیدا نہ کرتا تو اپنی شانِ ربوبیت کو بھی ظاہر نہ کرتا۔

جملہ اولیاء کرام کا اس امر پر اتفاق ہے تعین اول حضور اقدس ﷺ کی ذات ہے۔
یہی نور محمدی ﷺ اور حقیقتِ محمدی ﷺ ہے۔
مرتبہءلاتعین کو(احدیت) مرتبہ تعین اول کو(وحدت) مرتبہ تعین ثانی کو (واحدیت) کہا جاتا ہے۔

(۱) احدیت (۲) وحدت (۳) واحدیت

وحدت یا حقیقتِ محمدی ﷺ یا نورِ محمدی ﷺ یا تعین اول کو اسی لیے برزخ اور برزخِ کُبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ اوپر لاتعین سے فیض حاصل کرتا ہے اور مرتبہ واحدیت کو پہنچاتا ہے۔ کیونکہ برزخ کہتے ہی اس مرتبہ کو ہیں جو اوپر نیچے دونوں سے تعلق برقرار رکھتا ہو۔

نورِ محمدی ﷺ ست کہ اول زذات بحت　　　　در عقل و نفس آمدہ زیں جاء عبور یافت

ترجمہ:۔ یہ نورِ محمدی ﷺ ہی ہے جو سب سے پہلے ذات بحت (ذات محض) سے فیضیاب ہو کر عقل و نفس کے راستے ظاہر ہوا۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

نظر بر حقیقتِ تو لا الٰہ الا اللہ

نظر بر مراتب محمد ﷺ رسول اللہ

اس مرتبہ کے دیگر نام:

لاہوت، عقل اول، تجلی اول، نفس اول، خلق اول، نشاط اول، کنز الکنوز، روح اعظم، قلم اعلیٰ، فلک الولائت، ام الکتاب اور برزخ البرازخ ہیں۔

واحدیت

تعینِ ثانی

وَالْمَرْتَبَۃُالْثَالِثَۃُ مرتبۃاَلتَعَیّنْ اَلثانیْ وَ ھِیْ عِبارَۃُ عَنْ عِلْمِه تَعٰالیٰ لِذَاتِه وَ صِفَاتِه وَبِجَمِیْعِ الْمَوْجُوْدَاتِ عَلٰی طَرِیْقَ التَفْضِیْلِ۔ وَ اِمْتِیَازِ بَعْضِھَا عَنْ بَعْضٍ وّ ھٰذِہِ الْمَرْتَبَۃُ تُسَمّٰی بِالْوَاحِدِیّۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ الْاِنْسَانِیّۃ۔

ترجمہ:۔ اور تیسرا مرتبہ تعین ثانی (دوم) کا مرتبہ ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات اور صفات اور تمام موجودات کا تفصیلی طور پر۔۔۔ اور ایک دوسرے میں فرق کرنے کا علم ہے اور اس مرتبے کا نام واحدیت اور حقیقت انسانی رکھا جاتا ہے۔

(شیخ ابو سعید محمد مبارک معزمیؒ)

(تحفہ مرسلہ شریف)

اس مرتبہ میں ذات کا ظہور صفتوں کے رنگ میں اور صفت کا ذات کے رنگ میں ہوتا ہے اور یہ تجلّی ذاتی ہے۔ اسم اللہ تمام اسماء پر حاوی ہے اور مراتب الٰہیہ کے اعتبار سے سب میں روشن ہے اور ذات اور مرتبہ میں سب اسماء پر مقدم ہے۔ لہٰذا اس کا مظہر۔۔ انسان۔۔ بھی سب مظاہر پر مقدم ہے۔

اور اپنے مراتب کے اعتبار سے سب میں ظاہر ہے۔ چونکہ اسم اللہ باقی اسماء کے ساتھ دو نسبتیں ہیں ۔ایک یہ کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے کل اسماء میں ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ الٰہیت کے اعتبار سے سب اسماء پر شامل ہے لہٰذا جملہ مظاہرات الٰہیہ کی نسبت انسان کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے کل مظاہر میں ظاہر ہے۔ اور اپنے مراتب کے اعتبار سے سب پر شامل ہے۔

کل عالم۔۔انسان کی حقیقت کا مظہر ہے۔ اور وہ حقیقت اسم اللہ کی مظہر ہے۔ لہٰذا کل **روحیں** ۔۔۔انسانی روح کی جزئیات ہیں اور ان کی صورتیں اور لوازم اس حقیقتِ انسانی کی صورتیں اور لوازم ہیں۔ اسی وجہ سے مفصل **"عالم"** کو **انسان کبیر** کہتے ہیں۔ اور اسی کمال کے باعث حضرت انسان خلافت کا مستحق اور خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہے۔

(حضرت مولانا مولوی عبد العزیز قادری)

(شارح تحفہ مرسلہ)

یادرہے کہ احدیت مظہر ہے کَانَ اللہُ وَ لَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْئًا کا جس کے یہ معنی ہیں کہ

تھا اللہ اور اسکے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔

واحدیت مظہر ہے : وَھُوَ الْاٰنَ کَمَا کَانَ جس کے معنی یہ ہیں کہ

وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔

فَھٰذَا ثَلَاثَہُ مَرَاتِبُ کُلُّھَا قَدِیْمَہُ وَ الْتَقَدُّمُ وَالْتَاخَرُ عَقْلِیُ لَا زَمَانِیُ۔

ترجمہ:۔ اور یہ تین مرتبے ہیں یہ سب قدیمی ہیں اور ان کے آگے اور پیچھے ہونا عقلی ہے زمانی نہیں۔
(تحفہ مرسلہ شریف)

تقدم اور تاخر کا یہ مطلب ہے کہ ان ہر سہ مراتب (یعنی احدیت، وحدت، واحدیت) جو آگا اور پیچھا تعداد میں بتایا گیا ہے اس کا وجود خارج میں نہیں بلکہ محض عقلی اور فرضی طور پر صرف سمجھانے کے واسطے بیان کیا گیا ہے تا کہ سالکِ طریقت کی نگاہ تفصیلی طور پر واقع ہو جائے۔ حقیقی طور پر ہر سہ مراتب قدیم ہیں ان میں تقدم و تاخر نہیں ہیں اور ان کے واسطے ابتدا ہے نہ انتہا ہے ابد الابد سے ازل الازل تک یکساں ہے۔ واحدیت کو تعین ثانی یا منزل ثانی کہا جاتا ہے جبکہ مراتب کے لحاظ سے یہ تیسرا مرتبہ ہے۔

اس مرتبہ کے دیگر نام:

جبروت، ظلِ وحدت، حضرت جمع، فیض اقدس اور نفس رحمانی ہیں۔

اعیان ثابتہ

اَلْاَعْیَانَ الثَّابِتَۃَ مَاشَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوَجُوْدِ وَ اِنَّمَا الظَّاھِرُ اَحْکَامُھَا وَ اٰثَارُھَا۔

ترجمہ: اعیانِ ثابتہ نے وجود (ہستی) کی بُو تک نہیں سونگھی۔ جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ اس کے احکام و آثار ہیں

اعیان ثابتہ کو صور علمیہ، معلومات علمی، معلومات الٰہیہ، حقائق الاشیاء، معدومات حق یا محض معدومات بھی کہتے ہیں۔ اصلاًیہ حقائق عالم کی وہ صورتیں ہیں جنہوں نے علم الٰہی میں قرار پایا ہے۔ یعنی وہ حقائق عالم جن کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے خود بخود معلوم فرمایا ہے یا وہ تمام اشیاء اور ان کی صورتیں جو علم الٰہی میں بر قرار ہیں۔ ان سب کو اعیان ثابتہ یا صور علمی کہا جاتا ہے۔

اور ان کو معدومات بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فقط علم الٰہی میں صورت پکڑ لی ہے مگر بظاہر معدوم ہیں۔

اعیان ثابتہ کو معانی اشیاء(یعنی اشیاء کے معانی کو کہا جاتا ہے) چونکہ اعیان ثابتہ نورانی نہیں بلکہ معدوم ہیں اور صرف اور صرف حضرتِ علم میں ثابت ہیں۔ چنانچہ ان کے ذاتی وجود رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علم و معلومات حق یعنی اعیان ثابتہ کا مرتبہ قبل قدرت و ارادہ ہے یعنی غیر مخلوق ہیں۔

اعیان ثابتہ و حقائق اشیاء ظہورات اسمائے الٰہی کے امکانات ہیں جن کو وجود (خارجی) کی بُو تک نہیں پہنچی۔

وجود علمی کو ثبوت اور وجود خارجی کو وجود کہتے ہیں۔ بعض دفع ثبوت و وجود علمی کو عدم بھی کہہ دیتے ہیں۔

لہٰذا اعیان ثابتہ جو معلومات حق ہیں غیر موجود فی الخارج اور معدوم ہیں۔ اعیان ثابتہ مخلوقات و حقائق کونیہ و طباع ممکنات پر اسماء و صفات الٰہی کی تجلی ہوتی ہے یا یوں کہو کہ علم کے ساتھ قدرت الٰہی ملتی ہے تو ان دونوں کے ملنے سے جو چیز نمایاں ہوتی ہے وہ مخلوقات و ممکنات ہیں۔

اعیان ثابتہ و حقائق ممکنات پر ویسی ہی تجلی ہوتی ہے جیسا انکا اقتضاء ہے۔ اعیان و حقائق کے متعلق سوال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایسے کیوں ہیں۔ عین ثابتہ کی استعداد کلی کے مطابق عین خارجی کے استعدادات پیدا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں تخلیق سے قبل تمام حقائق موجودات کا وجود تھا۔ اس کو سمجھنے کے لئے اگر کائنات کو ایک مکان تصور کیا جائے تو مکان بنانے سے پہلے انجینئر کے دماغ میں مکان کا پورا نقشہ ہوتا ہے۔ جس کو پہلے وہ کاغذ پر بناتا ہے پھر اسی کے مطابق مکان کی تعمیر ہوتی ہے۔

حقائق موجودات جو علم الٰہی میں ہیں گویا معلوماتِ الٰہیہ ہیں۔ موجودات کا ظہور انہی معلومات الٰہیہ کے مطابق ہوا اور ہوتا رہتا ہے یعنی کُن سے پہلے جو معلومات الٰہیہ تھیں بعد کُن وہی مخلوقات ہو گئیں۔ اس طرح جو حق باطن تھا وہ ظاہر ہو گیا۔ معلومات الٰہیہ شامل بالذات ہیں اس لئے ذات کے ساتھ قدیم ہیں۔ بالفاظ دیگر مخلوقات و موجودات اعیان ثابتہ کے ظہور خارجی کا نام ہے۔ اعیان ثابتہ علم کا داخلی مرتبہ ہے اور اعیان خارجیہ علم کا خارجی مرتبہ ہے۔ کل عالم اور اشیائے عالم اپنے تقیدات اور تعینات کے ساتھ علم الٰہی میں موجود ہیں۔ ان کو موجودات کہا جاتا ہے یا معلومات ایک ہی بات ہے۔ پس پورا عالم ظہور اس طور پر خلق ہوا جس طور پر وہ علم الٰہی میں موجود تھا۔ اعیان خارجیہ دراصل اعیان ثابتہ کا عکس ہے۔ اس علم میں ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی علمی صورتیں ہیں۔ حق تعالیٰ اشیا کو پہلے جانتا ہے پھر پیدا کرتا ہے، پیدا کر کے نہیں جانتا۔ مخلوقات روز ازل سے حق تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ یہی معلومات حق اور حقائق اشیا جن کے مطابق اشیا کی تخلیق ہوتی ہے۔ اعیان ثابتہ کہلاتی ہیں۔

تنزیہہ و تشبیہ

وجودی صوفیائے کرام تنزیہی و تشبیہی توحید کے جامع ہیں یعنی اس سلسلے میں وہ تنزیہہ اور تشبیہ دونوں کو مد نظر رکھتے ہیں۔ ان کے دلائل بھی پرکشش ہیں اور قرآنی آیتوں کے عین مطابق ہیں۔

آیت مبارکہ: لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

ترجمہ: حق تعالیٰ کی مانند کوئی شے نہیں اور وہی سننے اور دیکھنے والا ہے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے فصوص الحکم کے فص کلمتہ نوحیہ میں تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت مقدسہ میں تنزیہہ اور تشبیہ دونوں موجود ہیں۔

آپ لکھتے ہیں : قال اللہ تعالیٰ

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ فَنَزَہٗ وَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ فَشَبَّہٗ۔

ترجمہ: اس جیسا کوئی نہیں پس یہ تنزیہہ ہے اور وہ سنتا اور دیکھتا ہے تو یہ تشبیہ ہے۔

تنزیہہ : یعنی ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کو تمام قیود تمام نقائص امکانیہ وعیب مخلوقات سے پاک سمجھنا۔ ظہور سے قبل وہ ذات محض ہویت مطلقہ تھی۔جمیع صفات واعتبارات سے مجرد۔ تمام نشانوں سے بے نشان۔جملہ رنگوں سے بے رنگ۔ ہر تقیّد سے مبرّا۔ ہر تشخص سے منزّہ۔

یہاں ذات نہ کسی اسم سے موسوم ہے۔نہ کسی صفت سے موصوف ہے۔یہ مرتبہ ذات ماورائے فہم ہے۔ محض سمجھنے سمجھانے کے لئے اسے تنزیہہ کا نام دے دیا گیا ہے۔

تشبیہ: جب اس نے ظہور چاہا یا مراتب ستہ کی زبان میں نزول کیا۔ تو وہی ذات تعینات و تشخصات کا جامہ پہن کر عالم شہادت میں ہزاروں شیون وصفات کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ان تعینات میں ذات کا مشاہدہ تشبیہ ہے۔وہ جامع ہے ان دونوں شانوں کا۔جو صرف تنزیہہ پر نظر رکھتا ہے۔اس نے اس ذات کو محدود کر دیا۔اس کی صحیح معرفت اس کو حاصل نہیں ہوئی۔اور جس نے اس کی شان تنزیہہ کو فراموش کر کے صرف تشبیہ کو دیکھا اس کی نظر گویا محض تعینات پر رہی۔ان کے اندر حق کو نہ دیکھ سکا۔

ایمان تنزیہہ اور تشبیہ کا جمع کرنا ہے۔ صرف تشبیہ کفر محض ہے اور فقط تنزیہہ دوئی اور تفرقہ ہے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں :

فان قلت بالتنزیہ کنت مقیداً

وان قلت بالتشبیہ کنت محدداً

ترجمہ: یعنی اگر تو تنزیہ محض کا قائل ہے تو اس کو مقید کرنے والوں میں ہے
اور اگر تو محض تشبیہ کا قائل تو تُو اس کو محدود کرنے والوں میں ہے

وان قلت بالامرین کنت مسددا

وکنت اماما فی المعارف سیدا

ترجمہ: اور اگر تو دونوں امر کا قائل ہے تو تُو راہ راست پر ہے
اور معارف کا امام ہے اور سردار ہے۔

مثال

خوشبوایک غیر مرئی بسیط چیز ہے نہ اس کو صحیح طور سے بیان کیا جاسکتا ہے نہ اس کی نوعیت اور خصوصیت کے بارے میں کچھ کہا جاسکتا ہے۔ جب تک وہ خوشبو کسی خاص شے سے منسوب نہ کی جائے۔ جب یہی خوشبو گلاب ویاسمین وعطروعود، مشک وعنبر وغیرہ کی نسبت سے ہماری قوتِ شامہ تک پہنچتی ہے۔ تو ہم اس خوشبو کی پہچان لیتے ہیں۔ اور اسے پھر اسی نام سے منسوب کرتے ہیں۔ کہ یہ گلاب کی خوشبو ہے اور یہ چنبیلی کی ۔ بذات خود خوشبو کی کوئی شکل وصورت نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ خوشبو جب تک کوئی تعین اختیار نہیں کرتی ہم اسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہی تشبیہ و تنزیہہ کا فرق ہے۔

ماں کی مامتا۔ رحم ومحبت کے جذبات۔ غیض وغضب کی علامات یا انسانی کیفیات واحساسات ایسی چیزیں نہیں جو دیکھی جاسکیں یا انہیں کسی شکل میں پیش کیا جاسکے۔ لیکن ایک مصور اپنے کمال فن سے اپنے قلم کے ذریعے ایسی تصویریں بناتا ہے جن سے یہ تمام غیر مرئی چیزیں خودبخود انسانی دماغ کو محسوس ہونے لگتی ہیں۔ گویا اس کا قلم ان چیزوں کو ایک شکل بخش دیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان جذبات واحساسات کو اگر دیکھا یا محسوس کیا جاسکتا ہے تو ان ہی تصویروں کے لباس میں ورنہ یہ سب بے شکل وبے صورت ہیں یہی تنزیہہ و تشبیہ کا فرق ہے۔ یہ مثالیں صرف سمجھنے سمجھانے کے لئے ہیں۔

روحی

تعین ثالث

وَالْمَرْتَبَةُ الرَّابِعَةُ مَرْتَبَةُ الْاَرْوَاحِ وَهِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الْاَشْيَاءِ الْكَوْنِيَّةِ الْمُجَرَّدَةِ الْبَسِيْطَةِ الَّتِيْ ظَهَرَتْ عَلٰى ذَوَاتِهَا وَ عَلٰى اَمْثَالِهَا۔

ترجمہ:۔ اور چوتھا مرتبہ ارواح کا ہے اور اس سے مراد عالم کونی کی چیزیں ہیں۔ جو مجرد ہیں، بسیط ہیں۔ جو اپنی ذاتوں اور مثلوں پر ظاہر ہوئی ہیں۔

(شیخ ابو سعید محمد مبارک معزمی)

(تحفہ مرسلہ شریف)

اسکا مفہوم یہ ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جو ابداعی طور پر پیدا ہوئی ہیں اور ابداع اس حالت کو کہا جاتا ہے جس میں مادے کا شائبہ نہ ہو۔ یا جس میں مادہ قطعی طور پر شامل نہ ہو۔

تو یہ چیزیں مادے سے مبرا ہیں اور اپنے ظاہری مثالوں پر تخلیق ہوئی ہیں۔

عالم امر ان اشیاء سے عبارت ہے کہ جن کی طرف مقدار اور کمیت کی رسائی نہ ہو۔

عالم خلق مقدار و کمیت میں داخل ہے اسی معنی کی بنا پر روح کو عالم امر میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

ورنہ بمعنی مخلوقیت وہ عالم خلق میں داخل ہے۔

حق تعالیٰ نے انسان کو جامع بین الخلق والامر پیدا کیا ہے۔

قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ۔ یہ پانچ اشیاء **عالم امر** سے ہیں۔
نفس و خاک و باد و آب و آتش عالم خلق سے ہیں۔
ان دس اجزاء (غیر محسوسہ) کو **لطائف عشرہ** کہتے ہیں۔
اسی لئے انسان باسم **عالم صغیر** (اشیاء محسوسہ) موسوم ہوا۔
جیسا کہ عرش اور مافوق العرش **عالم کبیر** ہے۔
لطائف عشرہ کے اصول عرش کے اوپر **عالم کبیر** میں ہیں
اور حق تعالیٰ کی تجلی ان اصول پر **عالم امر** میں پڑتی ہے
اور ان اصول کے عکوس وظلال (فیضان) عالم خلق کے لطائف پر وارد ہوتے ہیں۔
جیسا کہ سورج کی شعاع کا زمین پر فیضان ہوتا ہے۔
لطائف خمسہ **عالم امر** کے اصول اسمائے الٰہی کے ظلال ہیں کہ انکو ولایت صغریٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔
اور لطائف خمسہ **عالم خلق** کے اصول ان اسمائے الٰہی کے ظلال کے انوار ہیں۔
ظلالِ اسماء **عالم امر** کے اصول ہیں اور انوار ظلال اسماء **عالم خلق** کے اصول ہیں
اسی لئے لطائف خلق کے اصول بھی لطائف امر ہی کے اصول ہیں۔
(صرف ظل اور انوار ظل کا فرق لطیف ہے)

واضح ہو کہ آدمی کے تین روح ہیں

اول نباتی (پیدائش ونشو ونما کا)

دوسرا حیوانی (خورد و نوش و تناسل وغیرہ معاون ذرائع حیات)

تیسرا انسانی جو کہ نفس ناطقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے (معاون اظہار مافی ضمیر و تعلیم و تعلم وذریعہ ادراکات و جذبات واحساسات وحصول کمالات ارتقاء انسانی) اور اسکا تعلق جسم کے ساتھ خروج و دخول واتصال و انفصال سے علاوہ ہے۔

اور اہل تحقیق روح کی کیفیت بیان کرنے میں دو فرقہ ہیں ایک فرقہ کا یہ مسلک ہے روح دراصل ایک ہی ہے جس کو روح کل کہا جاتا ہے اور کبھی اس سے تعبیر حقیقت محمدیہ ﷺ کرتے ہیں اور کبھی عقل اول اور ارواح جزئیہ کا صدور اس سے بدیں طور ہے۔ کہ جب جسم انسانی تیار ہوا تو (برزخ ظہور میں) روح کل کا عکس اس جسم واقع ہونے پر اس کے واسطہ سے بدن میں زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔(از قسم حرکت ونشو ونما وتدبیر بدن و استعداد) جس طرح کہ جسم صیقل شدہ آفتاب کے تقابل سے چمکتا ہے۔ اور چونکہ انعکاس کے لئے تقابل شرط ہے پس اس تقابل کا رفع موت سے تعبیر ہو گی۔(روح کل کے فیضان انعکاس نہ ہونے سے نفس حیوانی تدبیر بدن کی استعداد سے محروم ہو کر خارج ہو جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔)

مولانا رومؒ قدس سرہ نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرماتے ہیں۔

متفرق شد آفتاب جانہا در درونِ روزن ابدانہا

ترجمہ:

جانوں (ارواح جزئیہ) کا آفتاب (حقیقت محمدی ﷺ یا روح کل) اجسام کے روشن دان میں (منعکس ہو کر) مفترق ہوا۔ تو بظاہر کثرتِ ارواح کا منظر جلوہ گر ہوتا ہے۔

مگر در حقیقت قرص آفتاب ایک ہی پیشِ نظر ہے لیکن ابدان متفرقہ کے دریچوں میں کثرت انعکاس دیکھنے کا محجوب تفرقہ سے کثرت کے شک میں ہے۔

درخت پر سورج کے انعکاس سے درخت کے سایہ میں دھوپ کی چھوٹی چھوٹی متفرق ٹکڑیاں نظر آنے سے سورج کی وحدت مشتبہ نہیں ہوتی۔ ہاں تفرقہ تو روح حیوانی میں ہوتا ہے (کہ حیوانات کے افعال واطوار میں یکسانیت نہیں ہے چھوٹے قسم کے حیوانات سے لے کر بڑے قسم کے حیوانات تک مشاہدہ کر لو ہر ایک قسم کے اوضاع واطوار اور افعال جدا جدا ہیں)

روح انسانی نفس واحد ہے (عادات کے اختلاف پر بھی اوضاع واطوار میں یکسانیت ہے)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان پر اپنا نور چھڑکا (فیضان انعکاس فرمایا) حق کا نور ہر گز متفرق (پراگندہ) نہیں ہو سکتا انسانی روح مثل نفس واحد کے اور حیوانی روح خشک ٹھیکری کی طرح جامد (بلا استعداد و ادراک و غیر مکلف کہ اس راز کا واقف نہیں ہے) جزوی عقل اس رمز سے آگاہ نہیں ہے اور حق تعالیٰ کے سوا کوئی اس راز کا واقف نہیں۔

(قال اللہ تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا)

اور ایک فرقہ کا یہ مشرب ہے کہ ہر ایک ارواح جزئیہ میں سے بغیر (امداد) انعکاس کے (مستقل طور پر) لطائف ذاتیہ رکھتے ہیں۔ واضح ہو کہ محققین کامل جن کا علمی کشف صحیح مشکوٰۃ نبوت سے حاصل ہے۔ اس مسلک پر ہیں کہ روح کا تعلق دو بدنوں سے ہوتا ہے۔ ایک تو یہ عنصری بدن (محسوس جسم) ہے اور دوسرا بدن مثالی (برزخی) روح اپنی دنیاوی بود ونمود میں عنصری محسوس بدن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس بدن عنصری (پر موت کے واقع ہونے) سے فاسد (ناقابل انعکاس) ہونے کے بعد اس بدن مثالی لطیف (برزخی) سے متعلق ہوتا ہے اور حشر میں پھر اسی عنصری بدن (بعد نشاۃ ثانیہ) میں متعلق ہوگا۔

اور سب کو معلوم ہے کہ نیند کی حالت میں عنصری بدن معطل رہتا ہے اور جو بدن خواب میں نظر آیا کرتا ہے وہ دوسرا مثالی بدن ہے اور اس نیند کی حالت میں روح ہر دو بدن (مثالی وعنصری) کی تدبیر کرتا ہے۔ ورنہ بدن عنصری (معطل محض ہو کر) فاسد ہو جائے۔ عالم مثال میں روح عجائبات عالم کی سیر حاصل ہوتی ہے۔ اولیاء کاملین کی روح حیات دنیا میں اس بدن عنصری سے بہ اختیار خود جدا ہو سکتی ہے۔ اس حالت کو اصطلاح تصوف میں انتزاع و انخلاع بھی کہتے ہیں اور یہ انسلاخ از قسم موت اختیاری ہے جو کہ ریاضات سے حاصل ہے اس امر میں اختلاف ہے کہ ارواح کی افرینش اجسام کی تخلیق سے بعد ہے یا اس سے پہلے۔ ایک فرقہ تکوین اروح کا بعد از تخلیق اجسام کے قائل ہے۔

ان کی دلیل قول باری تعالیٰ:

هل اتىٰ على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا۔

----۔ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين۔ الخ

اور ایک گروہ کا میلان و رجحان دوسرے مسلک کی طرف ہے۔

انکی دلیل قول باری تعالیٰ:

واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھور ھم ذریتھم و اشھد ھم علیٰ انفسم الست بربکم قالوا بلیٰ الخ

حدیث مرفوع کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح عباد کو دو ہزار سال عباد سے پہلے پیدا کیا۔ پھر (دنیا میں آکر) جن کا باہمی سابقہ تعارف ہوتا ہے وہ آپس میں الفت کرتے ہیں اور بصورت تناکر (عدم تعارف سابقہ) ایک دوسرے سے بیگانہ رہتے ہیں۔ اہل کشف و شہود کا یہی مسلک ہے۔

مولوی معنوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

طوطئی کاید ز وحی آواز او   پیش ز آغاز وجود آغاز او

ترجمہ: وہ طوطی جسکی آواز وحی سے آتی ہے اس کا آغاز وجود (تن) کے آغاز سے پہلے ہے

اندرونِ تست آں طوطی نہاں   عکس او تو دیدہ بر این و آں

ترجمہ: وہ طوطی تیرے اندر میں پوشیدہ ہے اس کا عکس تو نے زید و عمر جزئیات پر دیکھا ہے

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب
(تحقیق الحق فی کلمۃ الحق)

روح کی ہستی اور کیفیت کے متعلق علم ہر مومن کے لئے ضروری ہے، چنانچہ ہر شخص نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس کی ماہیت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ قریش مکہ نے یہودیوں کے سکھلانے پر نضر بن حارث کو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بمراد استفسار کیفیت روح بھیجا اور اس نے آنحضور ﷺ سے ماہیت روح دریافت کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے حبیب ﷺ یسئلونک عن الروح

یعنی یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ کیا ہے؟

قل الروح من امر ربی۔

آپ ان کو فرمادیں کہ روح میرے خالق حقیقی کا ایک حکم (کن) ہے۔

اور حکم میں حیات بخشی اور زندگی کے غیر فانی عناصر موجود ہیں جو مُردہ و بے جان جسم میں داخل ہو کر زندہ بلکہ زندہ تر کر دینے والی چیز ہے، بلکہ بذات خود ایک دائمی اور ناقابل تسخیر زندگی ہے اور ہر مادی جسم کی نشوونما اور زندگی اسی سے قائم ہے اور ساتھ ہی روح کی تمام فاعل اور غالب قوتیں جسم ہی میں رہ کر جسم ہی کے ذریعہ ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور جدوجہد، حرکات وسکنات، گفت وشنید، خورد ونوش، ہوش وحواس وغیرہ کے لئے دونوں عناصر یعنی روح وجسد کا یکجا ہونا لازمی امر ہے، کیونکہ جب روح جسم عنصری سے جدا ہوتی ہے تو جسم بے کار اور بے حس وحرکت ہو کر بعد چندے مدت گل سڑ کر تلف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روح بھی جو کارہائے نمایاں اس جسم عنصری میں رہ کر دکھاتا ہے اس کا قطعاََ خاتمہ ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ زندگی کے لئے روح اور جسم عنصری کا باہمی تعلق لازم وملزوم ہے۔ مزید برآں روح جوہر ہے۔ جوہر اس طاقت کا نام ہے جو اس چیز یا جسم کو جس

سے اس کا لگاؤ یا تعلق ہوتا ہے قائم رکھے، جب تک کہ بحکم الٰہی واپس جانے کا اس کا حکم نہ ہو اور چلا نہ جائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

الارواح جنود مجندۃ

ترجمہ: یعنی روح حرکت کرنے والے لشکر ہیں

جناب رسول اکرم ﷺ نے حدیث شریف میں فرمایا ہے:

ان اللہ تعالیٰ خلق الارواح قبل الاجسام بمائتی الف عام۔

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے جسموں سے روحوں کو دو لاکھ برس پہلے پیدا کیا۔

تو لامحالہ روح مخلوق ٹھہری اور حادث ہوئی۔ لہٰذا جو بے دین اور ملحد روح کو قدیم جانتے ہیں بلکہ قل الروح ھو اللہ کہتے ہیں وہ کافر ملحد اور لعنتی ہیں۔ قرآن پاک و حدیث شریف سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہے، نہ بزرگان دین میں سے کسی بزرگ نے بحالت صحو یا سکر ایسا فرمایا ہے۔

حضرت مرشدی پیر سید طاہر علاوالدینؒ القادری الگیلانی البغدادی

(تذکرہ قادریہ)

اس مرتبہ کے دیگر نام:

ملکوت، کنزالارواح، تجلی ثالث، عالم امر، عالم عقول اور مقام الطف ہیں۔

مثال

تعین الرابعۃ

وَالْمَرْتَبَۃُ الْخَامِسَۃُ عَالَمُ الْمِثَالِ وَ هِیَ عِبَارَۃُ عَنِ الْاَشْیَآءِ الْکَوْنِیَّۃِ الْمُرَکَّبَۃِ اللّطِیْفَۃِ الّتِیْ لا تُقْبَلُ التّجْزِیَ وَلَا التّبْعِیْضَ وَلاَ الْفَرْقَ وَلَا الْالْتِیَامَ۔

ترجمہ:۔ اور پانچواں مرتبہ عالم مثال کا ہے اس سے مراد اشیائے کونیہ، مرکبہ، لطیفہ ہیں۔ جو نہ جزو جزو ہونے اور نہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور نہ پھٹنے جڑنے کو قبول کرتی ہیں۔

(شیخ ابو سعید محمد مبارک معزمیؒ)

(تحفہ مرسلہ شریف)

مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے تعین یا تنزل روحی کے بعد تعین مثالی میں نزول فرمایا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہر شے کی مثال کا تعین فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں ہر شے کے مثالی وجود کو متعین فرمایا۔ مثلاً ایک آدمی جسمانی وجود تو رکھتا ہے مگر اسکے علاوہ اسی جسم کا لباس لباسِ دوم یعنی وجود مثالی ہے اور یہ وہ وجود ہے جو خواب میں نظر آتا ہے۔ یہ بھی قوت وتوانائی سے بھرپور وجود ہے۔

عالم مثالی ایک روحانی عالم ہے جو محسوس مقداری ہونے میں جسمانی جوہر کے مشابہ ہے۔ اور نورانی ہونے میں جوہر مجرد عقلی کے مشابہ ہے لہٰذا عالم مثال نہ تو جسم مرکب مادی ہے اور نہ ہی جوہر مجرد عقلی ہے۔ بلکہ عالم اجسام اور عالم مجردات کے درمیان مقام برزخ اور حد فاصل ہے۔ یا اس طرح سمجھا جائے کہ عالم مثال ایک نہایت ہی نورانی جسم ہے۔ جو جوہر مجرد لطیف اور جوہر جسمانی کثیف میں حد فاصل ہے اگرچہ جواہر لطیفہ اور جواہر کثیفہ کے درمیان بھی باہمی الطف اور اکثف کی نسبتیں پائی جاتی ہیں لیکن یہ مقام عالم مثالی ایسا ہے کہ یہاں پر ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہیں اور کسی طرف جھکاؤ نہیں۔

عالم مثال کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ کل جسمانی صورتوں پر شامل ہے۔ اور نیز یہ ان اعیان اور حقائق کی پہلی صورتیں ہیں جو علم الٰہی میں موجود ہیں اور اسکو خیالِ مفصل بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ غیر مادی ہے اور خیال متصل کے مشابہ ہے اور عالم وجود میں ایسا معنی اور روح کوئی نہیں ہے۔ جسکے کمال کے موافق اسکی مثالی شکل نہ ہو۔

کیونکہ اسم ظاہر سے ہر ایک چیز کو حصہ ہے۔ اور یہ عالم مثال عرش اور کرسی ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے سب پر حاوی اور شامل ہے۔

اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے معراج میں جو علو مراتب کی سیر کی اور حضرت آدمؑ کو پہلے آسمان پر دیکھا اور حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے آسمان پر دیکھا اور حضرت یوسفؑ کو تیسرے آسمان پر دیکھا اور حضرت ادریسؑ کو چوتھے آسمان پر دیکھا اور حضرت ہارونؑ کو پانچویں آسمان پر دیکھا اور حضرت موسیٰؑ کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور حضرت ابراہیمؑ کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔

لہٰذا اگر ان آسمانوں کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہ شکلیں عالم مثال میں نہ ہوتیں تو انکی سیر ناممکن ہو جاتی لہٰذا عالم مثال میں سب کچھ موجود ہے اور عوام الناس کے خواب وخیال اس عالم تک نہیں پہنچتے ہیں۔ الاماشاء اللہ

اور تمام موجودہ حسی صورتیں اس عالم مثال کا ظل ہیں اسی واسطے اہل کشف اپنی فراست کشفی کے ذریعے سے بعض اوقات بندے کی صورت سے اس کا حال دریافت کرلیتے ہیں۔

یہاں پر ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مثال کی حیثیت ایک برزخ کی سی ہے۔ اور برزخ اس درمیانی چیز کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے یا پہلی اور تیسری چیز کا اثر لے کر ہر دو کو پہنچانے کے فرائض انجام دیتا ہے۔

مثال کے طور پر روح اوپر ہوتی ہے۔ اور مادی جسم نیچے ہوتا ہے۔ اور ان کے درمیان مثال واقع ہے یعنی۔۔ روح۔۔ مثال اور مادی جسم۔۔ تو مثال مادی جسم کے اثرات روح کو اور روح کے اثرات جسم کو پہنچانے کا کام دیتی ہے۔ اس میں حق تعالیٰ کی حکمت عظیم پوشیدہ ہے۔ جو انسانی عقل، فہم اور فکر سے بالاتر ہے۔

عالم مثال کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس میں ہر چیز کا اصلی عکس موجود ہے۔ ان میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جن کا وجود عالم حس میں محسوس نہیں ہوتا۔

مثلاً۔۔ نفوس۔۔و۔۔ عقول۔ یعنی فرشتے اور جنات۔ لیکن اگر حق تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کو یہ چیز ملاحظہ فرمانا چاہے تو ایسی شکل میں دکھا دیتا ہے۔

جس سے وہ بندۂ خدا اسی **عالمِ حس** میں مانوس ہو۔ جیسے حضور ﷺ پر حضرت جبرائیلؑ کا ظہور آپ ﷺ کے صحابی حضرت **وحیہ قلبیؓ** کی شکل میں ہوا تھا۔

حضرت شیخ محی الدینؒ ابن عربی فرماتے ہیں

سارے جسمانی عالم کی حثیت عالم مثال میں ایسی ہے جیسے کسی لق و دق صحرا میں کوئی چھلا پڑا ہوا ہو۔ اس عالم کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا۔

اس مرتبہ کے دیگر نام:

عقل کل، نفس کل، شکل کل، جسم کل، خیال متقصل، فلک الحیات اور انسان کبیر ہیں۔

اجسام

تعین الخامس

وَالْمَرْتَبَۃُ السَّادِسَۃُ مَرْتَبَۃُ عَالِمُ الْاَجْسَامِ وَ ھِیَ عِبَارَۃُ عَنِ الْاَشْیَآءِ الْکَوْنِیَّۃِ الْمُرَکَّبَۃِ الْکَثِیْفَۃِ الَّتِیْ یُقْبَلُ التَّجْزِیَّ وَالتَّبْعِیْضَ۔

ترجمہ:۔ اور چھٹا مرتبہ عالم اجسام کا ہے اور اس سے مراد اشیائے کونیہ مرکبہ کثیفہ ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو اور جدا جدا ہونے کو قبول کرتا ہے۔

(شیخ ابوسعید محمد مبارک معزمی)

(تحفہ مرسلہ شریف)

اس مقام پر سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہو گا کہ جسم کی تعریف کیا ہے؟

توجو چیز طول، عرض اور عمق (گہرائی) رکھتی ہو۔اس کو جسم کہتے ہیں۔

حکماء بیان کرتے ہیں کہ ہر ایک جسم دو چیزوں سے مرکب ہے۔ایک کا نام ہیولی اور دوسری چیز کا نام صورت جسمیہ ہے۔

حکماء ہیولیٰ کی تعریف بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک جوہر ہے اور صورت جسمیہ کا محل ہے۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہیولیٰ "ہیئت اولیٰ" کا مخفف ہے۔ جس کے معنی شئے کی اصل ہے۔

ہیولیٰ کے متعلق یہ سمجھ لیناچاہئے کہ مثلاًانسانی دماغ میں کسی چیزیا جس چیز کی ایک موہوم سی شکل تصور یا تصویر آتی ہے تو یہ ایک خیالی یافکری صورت ہوتی ہے۔مادی طور پر مجسم نہیں ہوتی بس اسی پر ہیولیٰ کاتصور کرلیں۔

حکماءبیان کرتے ہیں۔کہ ہیولیٰ میں مادہ ایک جوہر قابل محض ہے۔اس میں جس قسم کی قابلیت آجاتی ہے اس پر اسی طرح کی صورت مبداءِ فیاض یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے فائز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مبداءفیاض میں بخل نہیں ہے۔فوراً صورت فائز ہو جاتی ہے اس فیضان کے واسطے مادے کی قابلیت شرط ہے۔

جہاں تک ہیولیٰ میں کسی قسم کی قابلیت اور وہ بھی"از خود" آنے کا تعلق ہے تو یہ ممکن نہیں۔کیونکہ ہیولیٰ اپنے آپ میں کوئی قابلیت پیدا نہیں کرسکتی۔بلکہ مبداءفیض کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے اور ایک باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت صورت پر فائز ہو جاتی ہے۔وہ اس طرح سے کہ پہلے پہل ہیولیٰ صورت جسمیہ پر فائز ہو جائی۔پھر صورت نوعیہ اس کے بعد صورت شخصیہ پر۔

صورت جسمیہ سے جسمانیت کی حفاظت ہو جاتی ہے۔صورت نوعیہ سے نوع کی پہچان یا تمیز ہوتی ہے اور شخصیہ میں دوسروں سے ممتاز کیاجاتاہے۔

مثلاسب حیوانات جسم رکھتے ہیں۔ان میں انسان اپنی نوعیت کے لحاظ سے ممتاز ہے۔

حکماء نے عالم کون وفساد کی اشیاء کو تین انواع پر تقسیم کیاہے۔

جن کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔یعنی **جمادات**، **نباتات** اور **حیوانات**۔

جمادات بے جان چیزیں ہیں اور اکثر ان کا اطلاق پتھروں اور معدنی چیزوں پر ہوتا ہے۔

نباتات وہ چیزیں ہیں جو نشو نما تو پاتی ہیں مگر بالارادہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک حرکت نہیں کر پاتی ہیں۔

حیوانات وہ اجسام ہیں جو نشو نما پانے کے ساتھ ساتھ حساس بھی ہیں اور ارادے کے ساتھ حرکت بھی کر سکتے ہیں۔

حکماء کے نزدیک تغیرات تو عالم جسمانی میں ہیں۔ یعنی زمین سے لیکر عرش تک تغیرات ہو رہے ہیں۔ لیکن عناصر اربعہ میں چونکہ تغیرات نہایت وضاحت کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہر وقت محسوس ہو رہے ہیں۔ اس لیے اس **عالم** کا نام **عالم کون وفساد** یعنی بننے اور بگڑنے کا نام جہان رکھا ہے حکماء حق تعالیٰ کو علتوں کے علت اور اسباب کا مسبب قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر اسباب تک محدود ہوتی ہے اور اسباب ومسبب کا ایک طویل سلسلہ قائم کرتے ہیں جو حق تعالیٰ پر ختم ہوتا ہے۔ اور صوفیائے کرامؒ ان تمام اضافات کو ساقط سمجھتے ہیں اور فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں۔ اور حکماء جس بات پر طویل چکر کاٹ کر آتے ہیں۔ بلکہ چکر میں لگے رہتے ہیں اور عمر عزیز رائیگاں کرتے ہیں۔ عارف کامل کا وہ پہلا قدم ہے۔

مختصر یہ کہ صوفیائے کرامؒ کے نزدیک ارتقاء کا مطلب یہ ہے کہ عالم حس یا عالم ناسوت سے پرواز یا عروج اختیار کیا جائے اور حق تک رسائی ہو۔

اس مرتبہ کے دیگر نام : ناسوت ، عالم حس وشہادت ہیں۔

انسانیہ

تعین السادس

وَالْمَرْتَبَةُ السَّابِعَةُ مَرْتَبَةُ الْجَامِعِيَّةِ لِجَمِيعِ الْمَرَاتِبِ الْمَذْكُورَةِ الْجِسْمَانِيَّةِ وَالنُّورَانِيَّةِ الرُّوحَانِيَّةِ وَ الْوَاحِدَةِ وَالْوَاحِدِيَّةِ وَهُوَ التَّجَلِّيَ الْاَخِيرَةِ وَاللِّبَاسُ الْاَخِيرَةِ وَهِيَ الْاِنْسَانُ۔

ترجمہ:۔ ساتواں مرتبہ ان تمام مراتبِ مزکورہ۔۔ جسمانی، نورانی، روحانی، وحدت اور واحدیت۔۔ کا جامع ہے، یہ سب سے آخری تجلی اور سب سے آخری لباس ہے اسے **انسان** کہتے ہیں۔

(شیخ ابو سعید محمد مبارک معزمی)

(تحفہ مرسلہ شریف)

گویا حق کے نزول کا آخری مرتبہ یا لباس **انسان کامل** ہے۔ اور اسی کو تجلی آخر کہا جاتا ہے۔

یہ مرتبہ **قِدم وحدوث** بلکہ تمام مراتب سبعہ کا جامع ہے اور اسی لیے حضرت شیخ ابو سعید المبارکؒ معزمی نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔ سب سے آخری مرتبہ انسان کا ہے اور یہی انسان جب عروج کرتا ہے تو اس میں تمام مراتب الٰہی مذکورہ اپنے پھیلاؤ کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور اس کو **انسان کامل** کہا جاتا ہے اور اسی عروجِ کمالات اور سب مراتب کا پھیلاؤ کامل طور پر ہمارے نبی ﷺ میں ہے۔

اور اسی واسطے آنحضرت ﷺ تمام انبیاء کے خاتم ہیں۔

رسول ﷺ نے جس وقت وجود کونیہ کے ساتھ نزول فرمایا تو آنحضرت ﷺ کی وساطت سے **عقول، نقوش، روح و قلم، عرش و کرسی، افلاک، ارکان و معادن، نباتات حیوانات اور یہ انسان تخلیق یافتہ ہوئے۔ یہ مقامات حقیقت محمدی ﷺ یا نورِ محمدی ﷺ کی تفصیلات ہیں۔**

(حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

جہاں تک انسان کامل کا تعلق ہے تو وہ تمامی اسماء وصفات الٰہی کا مظہر ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کامل حضور اقدس ﷺ ہیں۔

کل **عالم**۔۔ انسان کی حقیقت کا مظہر ہے۔ اور وہ حقیقت اسم **اللہ** کی مظہر ہے۔

لہٰذا کل روحیں انسانی روح کی جزئیات ہیں اور ان کی صورتیں اور لوازم اس حقیقت انسانی کی صورتیں اور لوازم ہیں اسی وجہ سے **مفصل عالم** کو **انسان کبیر** کہتے ہیں اور اسی کمال کے باعث حضرت انسان خلافت کا مستحق اور **خلیفۃ اللہ** کہا جاتا ہے۔

(مولوی عبدالعزیز قادری)

(شارح تحفہ مرسلہ)

یعنی جو کچھ اس (مرتبہ وحدت) کے مافوق وجود باطن میں ہے (وہ مرتبہ احدیت) مرتبہ وحدت میں اجمالاً موجود ہے۔ اور جو کچھ اس کے ماتحت یعنی ظاہر وجود اسماء مرتبہ واحدیت میں ہے وہ مرتبہ وحدت میں ضمناً موجود ہے۔

اور مرتبہ واحدیت میں انسان کامل سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں

(شاہ گل حسن قادری)

مراد یہ ہے کہ **عالم** کو **انسان کبیر** کہا جاتا ہے۔ اور انسان کو **عالم صغیر** کہتے ہیں۔ اسلئے کہ جو کچھ **عالم** میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ وہ سب اجمالی طور پر انسان میں پایا جاتا ہے۔

انسان **حادث** بھی ہے **ازلی** بھی ہے۔ حادث اس لحاظ سے کہ ابتدا سے خارج میں موجود نہ تھا اور بعد میں موجود ہوا چنانچہ **حادث** ٹھہرا لیکن چونکہ **حضرت علم** میں موجود تھا۔ پس **عین ثابتہ** کے لحاظ سے **ازلی** ہے۔

عالم ناسوت ظل عالم ملکوت ہے۔ عالم ملکوت ظل جبروت ہے، جبروت ظلِ لاہوت ہے، لاہوت بمنزلہ سر کے ہے، جبروت سینہ، ملکوت پیٹ اور ناسوت ٹانگیں اور دو وصف الٰہی یعنی جلال و جمال جن کا ہر شے میں ظہور ہے بازو اور ہاتھ ہیں۔ یہ انسان کامل کی صورت ہے۔

اور **حدیث: خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ** کا راز ہے۔

عالم ملکوت، جبروت و لاہوت روحانی عالم ہیں۔

جو تصویر کے ذریعے عالم میں ناسوت، آسمان اور زمین ہیں۔

جو شے عالم ناسوت میں ہے وہ سب عالم ملکوت میں بھی ہے۔ مگر مثالی اور نورانی صورتوں میں ہے۔ اور جو کچھ ملکوت میں ہے وہ عالم جبروت میں ہے مگر ارواح مجردہ کی صورت میں اور ایسا ہی عالم جبروت، عالم لاہوت کا ظل ہے۔

فصِ آدمیہ میں **شیخ**ؒ نے مسئلہ خلافت کو بیان کیا ہے۔ تمام **عالم** کو بمنزلہ **جسد** کے فرض کرتے ہیں اور تجلی اعظم اور شان الوہیت کو بمنزلہ **روح** کے۔

شیخؒ تمام **عالم** کو **انسان کبیر** سے تشبیہ دیتے ہیں۔ **عالم** میں جو کچھ ہے۔ وہ مظاہر اسماء الٰہیہ ہیں۔

انسان جب تک پیدا نہیں ہوا تھا۔ عالم تن بے جان تھا، اس میں حاکمانہ شان کا مظہر نہ تھا، انسان پیدا ہوا تو گویا عالم کے تن میں جان آگئی اور مکمل انسان ہو گیا۔

جس طرح انسان میں قویٰ ہیں اور ان کے محل ہیں اسی طرح انسان کبیر یعنی عالم میں ملائکہ ہیں۔

انسان میں قوت علمی ہے، اور اسکا مرکز دماغ ہے۔ انسان کبیر یا عالم میں بھی قوت علمی ہے اور اس کا مرکز حضرت جبرائیل ہیں۔

انسان میں قوتِ حیات ہے اور انسان کبیر میں بھی قوت حیات ہے اور اس کا محل حضرت میکائیل ہیں۔

انسان کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے اور انسان کبیر کی موت کا مرجع حضرت عزرائیل ہیں۔

انسان میں خیال ہے، انسان کبیر کا خیال عالم مثال ہے۔ اور اس کا مرکز حضرت اسرافیلؑ ہیں۔

خلق اللہ آدمؑ علیٰ صورۃ اسم محمد ﷺ

ترجمہ: حضرت آدمؑ کو آپ حضرت محمد ﷺ کے اسم پاک کی صورت پر پیدا کیا گیا آدمؑ کا سر مبارک آپ ﷺ کے اسم پاک کے پہلے میم کی طرح گول ہے۔ اس آدمؑ کے بازوؤں کا دونوں پہلوؤں کے ساتھ الصاق حا کی صورت کی طرح ہے۔ اور ان کا بطن مبارک آپ ﷺ کے اسم مبارک کے دوسرے میم کی صورت پر ہے۔ اور دونوں پاؤں پھیلی ہوئی دال کی مانند ہیں۔

(شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ)

(شجرۃ الکون)

غرض کہ حق تعالیٰ نے آدم کی تخلیق میں اپنے دونوں ہاتھ یعنی جلال و جمال کو لگا کر امتیاز و شرف عطا فرمایا اس لیے حق تعالیٰ نے ابلیس سے کہا: ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی ۔

ترجمہ: تجھے کس چیز نے روکا کہ اسے سجدہ نہ کرے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا اس سے مراد ہے آدم کا **صورت عالم** و **صورت حق** کو جامع ہونا ہے۔

خدا سب پر حاکم ہے خواہ وہ ناسوت ہو یا ملکوت لہٰذا ضروری ہے کہ اسکا جو خلیفہ بنے اس میں دونوں پر حکومت کرنے کی صلاحیت ہو۔ فرشتے صرف ایک نوع یعنی ملکوت پر حکومت کر سکتے ہیں وہ بہمیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے لہٰذا ان میں ناسوت پر حکومت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ ملکوت و ناسوت دونوں کا جامع ہونا یہی وہ خصوصیت ہے جس نے انسان کو خلافت الٰہی کا مستحق قرار دیا۔ ملکوت میں یہ جامعیت نہیں ہے اس لیے انہیں خلافت الٰہی نہیں ملی۔ نکتہ یہ ہے کہ جب آدمی **انسان** بن جاتا ہے تو **خلافت الٰہی** کا حق دار ہو جاتا ہے اور اس میں **صفات الٰہیہ** کا عکس **در** آتا ہے۔

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

علم حق در علمِ صوفی گم شود　　　این سخن کے باور مردم شود

اگر کوئی شخص جس بات میں خلیفہ ہوا ہے اپنے متخلف اور خلیفہ بنانے والے کی صورت میں ظاہر نہ ہو تو وہ خلیفہ ہی کیا ہوا۔ اگر خلیفہ کے پاس وہ تمام چیزیں نہ ہوں جسکی رعایا کو ضرورت ہے تو وہ خلیفہ ہی کیا ہوا۔ خلیفہ کی طرف تمام رعایا رجوع کرتی ہے تو انکی ضرورتوں کو پورا کرنا بھی خلیفہ کا کام ہے۔ جامعیت ہی کی وجہ سے صرف **انسان کامل** کے لیے خلافت صحیح ہوئی۔

انسان کی شان دیکھنا ہو تو کسی بیمار انسان کی عیادت کرو، کسی بھوکے کو کھانا کھلا دو، کسی پیاسے کو پانی پلا دو۔

مسلم شریف کی حدیث قدسی:

یا ابن آدم مرضتُ فلم تعدنی ۔

یا ابن آدم استطعتک فلم تطعمنی۔

یا ابن آدم استسقتک فلم تسقینی ۔

یعنی قیامت کے دن حق تعالیٰ پوچھے گا اے ابن آدم میں بیمار ہوا تھا تو تُو نے میری عیادت نہ کی۔

اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا سو تو نے مجھے نہ کھلایا،

اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا سو تو نے مجھے نہ پلایا۔

اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ بیمار، بھوکا یا پیاسا کون ہوتا ہے؟

آپ فرمائیں گے کہ انسان۔۔۔ مگر حق تعالیٰ نے کیا فرمایا؟۔۔۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سب میں تھا۔

اب یہ بات سمجھ میں آجانی چاہیے کہ انسان کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔

یا طالبا لوجود الحق ید رکه

اے وجود خدا کے طالب خدا کو پالو گے

ارجع لذاتک فیک الحق فالتزم

اپنی ذات کو رجوع کرو تم میں حق ہے اسی کو لازم پکڑو۔

انسان حق تعالیٰ کی شاہکار تخلیق ہے۔

قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولقد کر منا بنی آدم۔

ترجمہ:۔ ہم نے بنی آدم کو شرف بخشا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

و علم آدم الاسماء کلھا۔

ترجمہ:۔ خدا نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔

ایک اور جگہ یوں فرمایا:

انی جاعل فی الارض خلیفه۔

ترجمہ:۔ بے شک میں زمین پر (اپنانائب) خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔

ایک دوسری آیت میں یوں فرمایا:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا۔

احادیث مبارکہ میں حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں:

ان اللہ خلق آدم علی صورۃ۔

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا۔

فرمایا

الانسا ن سرّی وانا سرّ ہ۔

ترجمہ:۔ انسان میرا راز ہے اور میں اسکا راز ہوں۔

فرمایا

انا من نور اللہ و خلق کلھم من نوری۔

ترجمہ:۔ میں اللہ کے نور سے ہوں اور سب مخلوقات میرے نور سے ہیں۔

فرمایا

من رآنی فقد رالحق۔

ترجمہ:۔ جس نے مجھے دیکھا گویا اس نے خدا کو دیکھ لیا۔

فرمایا

انا احمد بلا م ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انا عرب بلا ع۔

ترجمہ:۔ میں احمد ہوں بغیر میم کے۔۔ میں عرب ہوں بغیر عین کے۔

سِرِّ آدم و عالم

اللہ تعالیٰ نے تمام **عالمِ کون** کو آدم علیہ السلام کی صورت و اسم پر پیدا فرمایا۔
کیونکہ عالم کی دو اقسام ہیں۔ **عالم الملک** اور **عالم الملکوت**۔
عالم ملک جسمانیت آدمؑ کی مانند ہے اور **عالم ملکوت** مثلِ روحانیت آدم علیہ السلام ہے۔
کثافت عالم سفلی ان کی جسمانیت کی کثافت کی مانند اور لطافت عالم علوی ان کی روحانیت کی لطافت کی مثل ہے۔
اور ایستادہ پہاڑوں کو زمین کے لئے میخیں بنایا گیا۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی ہڈیوں کی مانند ہیں جو ان کے جسم میں میخوں کا کام دیتی ہیں۔ اور چلتے پھرتے ہوئے پانی سے بھرے ہوئے دریا اور غیر جاری کھارے اور میٹھے سمندر کی مثال جسم میں اس خون کی مانند ہے جو اس کی رگوں میں جاری اور اعضا میں رکا ہوا ہے۔ دریاؤں کے پانی کے ذائقوں میں اختلاف کی مثال انسانی جسم میں یوں ہے۔ شیریں پانی لعاب دہن کی مانند ہے کیونکہ اس میں کھانے پینے کی چیزیں ملتی رہتی ہیں۔

آنکھ کا پانی نمکین ہوتا ہے۔ تاکہ اس سے آنکھ کی چربی سالم رہے اور کان کا پانی کڑوا ہوتا ہے تاکہ اگر کوئی کیڑا مکوڑا اس میں داخل ہو جائے تو وہ مر جائے۔

اور بعین ہی بعض زمینیں عمدہ ہوتی ہیں۔ جس میں کھیتی اُگنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور بعض سنگلاخ ہوتی ہیں جن میں کھیتی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انسان کے جسم کی بھی یہی کیفیت ہے۔ جیسا کہ زمین میں بڑے بڑے دریا ہیں اور ان سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح انسان کے جسم میں بڑی سخت رگیں مثل وتین (شاہ رگ) موجود ہیں۔ جس سے تمام رگوں میں خون پھیلتا ہے۔

پھر عالم علوی یعنی آسمان میں اللہ تعالیٰ نے سورج کو اہل زمین کے لیے روشن چراغ کی مانند بنایا۔ بعین ہی انسانی جسم میں روح نے ضیاع بخشی۔ بوقت موت جب جسم سے روح غائب ہو جاتی ہے۔ تو جسم اسی طرح تاریک ہو جاتا ہے جس طرح سورج کے غائب ہو جانے سے زمین تاریک ہو جاتی ہے۔ اور پھر عقل انسانی کو مانند قمر کے بنایا۔ جس طرح چاند کبھی گھٹتا اور کبھی بڑھ جاتا ہے۔ اور ابتداء میں وہ ہلال یعنی چھوٹا ہوتا ہے۔ اسی طرح چھوٹے بچے کی عقل شروع میں چھوٹی ہوتی ہے جس طرح چاند بڑا ہوتا جاتا ہے اسی طرح بچہ کی عقل حسب عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جیسے چاند چودھویں رات کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتا ہے عین اسی طرح عقل انسانی بھی چالیس سال کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتی ہے۔

اور جس طرح آسمان پر پانچ سیارے جنہیں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔
یعنی زحل، مشتری، عطارد، مریخ اور زہرہ۔

اسی طرح انسان میں بھی حواس خمسہ یعنی شم، ذوق، لمس، سمع اور بصر موجود ہیں۔ جس طرح عالم علوی میں عرش و کرسی بنائے گئے۔ اسی طرح جسم انسانی میں دل بمنزلہ ءِ عرش اور سینے کو بمنزلہ ء کرسی پیدا کیا گیا۔

عرش مجید کو خدائے قدوس نے پیدا کر کے اپنے بندوں کے قلوب اس کی طرف مائل کئے۔ اور التجاء وزاری کے وقت ہاتھوں کو اپنی طرف بلند کرنے کے لئے اس کو محل قرار دیا۔ اور نہ یہ کہ عرش کو اس نے اپنی ذات کے لئے محل اور اپنی صفات کا مجانس بنایا۔ کیونکہ اس کا نام رحمٰن ہے۔ اور استواء اس کی نعت وصفت اس کی ذات سے متصل ہے۔ عرش اس کی مخلوقات میں سے ہے نہ وہ اس کے ساتھ متصل ہے اور نہ ہی اس سے اس کی ملامست ہے اور نہ ہی وہ اس پر محمول ہے اور نہ اس سے اسکا احتیاج ہے۔ کرسی اس کے اسرار کا ظرف اور انوار کا ترکش ہے۔

جو کچھ دائرہ: وسع کرسیه السموت والارض میں ہے وہ اس کی امانت گاہ ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کے سینے کو بمنزلہ کرسی کے بنایا۔ کیونکہ اس سے علومِ صادرہ کی تحصیل ہوتی ہے۔ جو بمنزلہ ایک ایسے میدان کے ہے جو قلب و نفس کے دروازے پر ہے۔

اور یہاں سے دو دروازے قلب و نفس کی طرف نکلتے ہیں۔ قلب سے جو بھلائی یا نفس سے جو برائی صادر ہوتی ہے۔ اس کا محصل صدر ہے اور اس سے جوارح مستفید ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مطلب ہے۔ و حصل ما فی الصدور

(اور سینوں میں جو کچھ ہے وہ حاصل کیا جائیگا)۔

اور اللہ تعالیٰ نے دل کو بمنزلہ عرش کے بنایا۔ عرش مجید آسمانوں پر مصروف اور زمین پر مسکون ہے۔ کیونکہ دلوں کا عرش آسمانی عرش سے افضل ہے۔ اور نہ ہی آسمانی عرش میں خدا تعالیٰ سما

سکتا ہے اور نہ ہی عرش مجید اسے اٹھا سکتا ہے اور وہ اس کا دراک بھی نہیں کر سکتا۔ اور یہ زمین کا عرش ہر وقت خدا تعالیٰ کی روئت میں منہمک رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر اپنا ظہور بخشتا ہے اور آسمانِ کرم سے اس پر نزول فرماتا ہے۔

چنانچہ فرمایا: ما وسعني سمٰوتي ولا الرضي ووسعني قلب عبدی المومن

ترجمہ: اور نہ ہی میرا آسمان مجھے اپنے میں سما سکتا ہے اور نہ ہی میری زمین اور میں بندہء مومن کے دل میں سما جاتا ہوں

اور پھر عالم آخرت میں جنت اور دوزخ کو بنایا گیا۔ اور جنت کو خیر کا اور دوزخ کو شر کا خزانہ بنایا گیا۔

اسی طرح قلب انسانی میں "سویدا" صرف بھلائی کا مکان ہے جو بندہء مومن کے لئے جنت کی مانند ہے کیونکہ وہ محل مشاہدہ و تجلیٰ و مناجات و منازل اور منبع انوار ہے۔

اور نفس کو بمنزلہ دوزخ کے بنایا۔ جو منبعِ شر۔ محل وسواس۔ منزل شیطان اور بیت الظلمت ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے

لوح و قلم کو: کتاب الکون و التکوین وما کان وما یکون الیٰ یوم الدین کا نسخہ بنایا۔

اور فرشتوں کو اس نسخہ کو محو و اثبات موت و حیات اور کمی و بیشی کے تحریر کرنے پر مامور فرمایا۔

بعین ہی زبان بمنزلہ قلم اور سینہ کو بمنزلہ لوح بنایا۔ جو بھی زبان سے نکلتا ہے۔ ذہن اس کو لوح صدر پر تحریر کر دیتا ہے۔ اور ارادہء قلب جس چیز کو سینہ کی طرف مبذول کرتا ہے۔ زبان ترجمان کی مانند اس کا اظہار کرتی ہے۔ پھر حواس کو دل کا رسول بنایا اور جو چیز دل میں ہوتی ہے۔ (حواس) یعنی

رسول اس کو تحریر کر لیتے ہیں اور کان اس کا رسول بمنزلہ جاسوس۔ آنکھ اس کا رسول بمنزلہ نگہبان اور زبان اس کا رسول بمنزلہ ترجمان کے ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تصدیق ربوبیت ورسالت کے لئے ہیکل انسانی کو پیدا فرمایا۔ کیونکہ وہ مدبر یعنی روح کا محتاج ہے۔ اور مدبر واحد ہے۔ روح غیر مرئی۔ غیر متکیف۔ غیر متحیر ہے۔

کوئی چیز بجز اس کے شعور ارادے کے متحرک نہیں۔ جسم میں المماس واحساس بھی اسی کی بدولت موجود ہے۔ اور جسدِ انسانی میں ان تمام چیزوں کو موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عوالم کیلئے ایک مدبر و محرک کی ضرورت ہے۔ پھر اس سے صرف ایک ہی مدبر کے وجود کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے جو اپنی سلطنت کا جاننے والا ہو۔ اور وہ اس کی حدوثیت پر قادر ہو۔ وہ مدبر غیر مکیف غیر متمثل۔ غیر مرئی۔ غیر متحیز۔ غیر محسوس۔ غیر متبعض۔ غیر ملموس اور غیر مقبوس ہو

یعنی:۔ **لیس کمثلہ شیء و ھو السمع البصیر۔**

بلکہ اس کی مثل کوئی شے نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی
شجرۃ الکون

ھو اللہ

لا موجود الا اللہ

انا احمد ﷺ بلا میم

ز احمد تا احد یک میم فرق است   جہان اندر آں یک میم غرق است

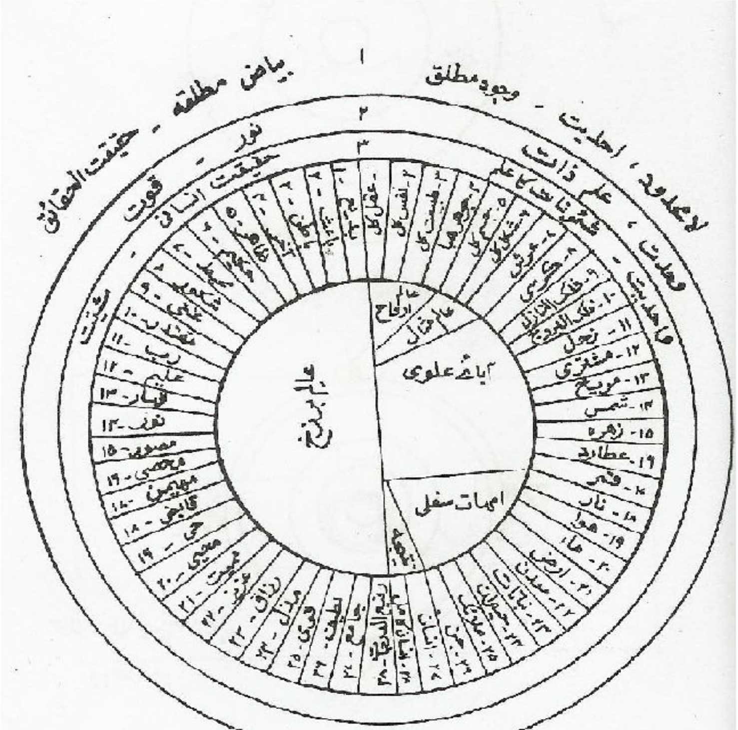

۱- پہلے دائرے کے اوپر مقام لاتعین یا احدیت کا درجہ ہے۔

۲- دوسرے دائرے کے اوپر وحدت یا حقیقت محمدی یا نور محمدی ہے۔

۳- تیسرے دائرے کے اوپر واحدیت یا حقیقت انسانی یا روح محمدی یا روح اعظم ہے۔

روح اعظم سے (بائیں جانب اسمائے الٰہی اور دائیں جانب) اس کے مقابل اسمائے کیانی نکلے ہیں جو مخلوقات کے نام ہیں۔

حضرت حسین بن منصور حلاج، طواسین، کذافی مراۃ العارفین

حدیث نور

عبدالرزاق عن معمر عن ابن المنکدرعن جابر قال:

سالت رسولاللہ ﷺ عن اول شی ء خلقه اللہ تعالیٰ

فقال: هو نور نبیک یا جابر خلقه اللہ، ثم خلق فیه کل خیر، و خلق بعده کل شی ء، و حین خلقه اقامه قدامه من مقام القرب اثنی عشر الف سنة۔ ثم جعله اربع اقسام فخلق العرش / والکرسی من قسم: و حملة العرش و خذنة الکرسی من قسم، وا قام القسم الرابع فی مقام الحب اثنی عشر الف، ثم جعله اربعة اقسام فخلق القلم من قسم، واللوح من قسم، والجنة من قسم، ثم اقام القسم الرابع فی مقام الخوف اثنی عشر الف سنة جعله اربعة اجزاء فخلق الملائکة من جزء، والشمس من جزء، والقمر والکواکب من جزء، واقام الجزء الرابع فی مقام الرجاء اثنی عشر الف سنة، ثم جعله اربعه اجزاء فخلق العقل من جزء والعلم والحکمة والعصمة والتوفیق من جزء و اقام الجزء الرابع فی مقام الحیاء اثنی عشر الف سنة ثم نظر اللہ عزوجل الیه فترشح النور عرقا فقطر منه ماءة الف واربعة و عشرون الف واربعة آلاف قطرة من نور ، فخلق اللہ من کل قطرة روح نبی ، او روح روسول ثم تنفست ارواح الانبیاء فخلق اللہمن

انفاسهم الاوليا والشهداء والسعداء والمطيعن الى يوم القيامة، فالعرش وا لكرسى/من نورى والكروبيون من نورى الروحانيون والمائكة من نورى والجنة وما فيها من النعيم من نورى، وملائكة السماوات السبع من نورى، الشمس والقمر والكوكب من نورى ، والعقل والتوفيق من نورى، و ارواح الرسل والانبياء من نورى، والشهداء والسعداء والصالحون من نتاج نورى، ثم خلق الله اثنى عشر الف حجاب فاقام الله نورى و هو الجزء الرابع، فى كل حجاب الف سنة، و هى مقامات العبودية والسكينة والصبر والصدق واليقين، فغمس الله ذالک النور فى كل حجاب الف سنة فلما اخرج الله النور من الحجب ركبه الله فى الارض فكان يضىء منها ما بين المشرق والمغرب كالسراج فى اليل المظلم، ثم خلق الله آدم من الارض فركب فيه النور فى جبينه ، ثم انتقل منه الى شيث، وكان ينتقل من طاهر الى طيب ، ومن طيب الى طاهر، الى ان او صله الله صلب عبدالله‌بن عبدالمطلب، و منه الى رحم ابى آمنه بنت وهب، ثم اخرجنى الى الدنيافجعلنى/ سيد المرسلين و خاتم النبين و رحمة اللعالمين و قائد الغر المحجلين و هكذاكان بدء خلق نبيک يا جابر۔۔۔

(ا) (مصنف عبدالرزاق جلد ا، حديث١٨)

ترجمہ:۔ "امام عبد الرزاق، معمر سے وہ ابن منکدر سے، وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کون سی شے پیدا کی؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! وہ تیرے نبی کا نور ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرما کر اس میں ہر خیر پیدا کی اور اس کے بعد ہر شے پیدا کی، جب اس نور کو پیدا فرمایا تو اسے بارہ ہزار سال تک مقام قرب پہ اپنے سامنے فائز رکھا، پھر اس کے چار حصص کئے، ایک حصہ سے عرش و کرسی، دوسرے حصہ سے حاملین عرش اور خازنین کرسی پیدا کئے، پھر چوتھے حصہ کو مقام محبت پر بارہ ہزار سال رکھا، پھر اسے چار میں تقسیم کیا، ایک سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے جنت بنائی، پھر چوتھے کو مقام خوف پر بارہ ہزار سال رکھا، پھر اس کے چار اجزا کئے، ایک جز سے ملائکہ، دوسرے سے شمس، تیسرے سے قمر اور ستارے بنائے۔ پھر چوتھے جز کو مقام رجا پر بارہ ہزار سال تک رکھا، پھر اس کے چار اجزاء بنائے، ایک سے عقل، دوسرے سے علم و حکمت، تیسرے سے عصمت و توفیق بنائی، پھر چوتھے کو مقام حیا پر بارہ ہزار سال تک رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر نظر کرم فرمائی تو اس نور کو پسینہ آیا، جس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار نور کے قطرے جھڑے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قطرہ سے نبی کی روح یا رسول کی روح پیدا کی، پھر ارواح انبیاء نے سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان انفاس سے تا قیامت اولیاء، شہداء، سعداء اور فرماں برداروں کو پیدا فرمایا، تو عرش و کرسی میرے نور سے، کروبیون میرے نور سے، روحانیوں میرے نور سے، ملائکہ میرے نور سے، جنت اور اسکی تمام نعمتیں میرے نور سے، ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے، شمس و قمر اور ستارے میرے نور سے، عقل و توفیق میرے نور سے، ارواح رسل و انبیاء میرے نور سے، شہداء، سعداء اور صالحین میرے

نور کے فیض سے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار پردے پیدا فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے میرے نور کے جز رابع کو ہر پردہ میں ہزار سال رکھا اور یہ مقامات عبودیت، سکینہ، صبر، صدق و یقین تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ہزار سال تک اس پردہ میں غوطہ زن رکھا، جب اس پردہ سے نکالا اور اسے زمین پر متمکن کیا تو اس سے مشرق و مغرب یوں روشن ہوئے جیسے تاریک رات میں چراغ، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا فرمایا تو ان کی پیشانی میں نور رکھا، پھر اسے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل کیا، پھر وہ طاہر سے طیب اور طیب سے طاہر کی طرف منتقل ہوتا ہوا عبداللہ بن عبدالمطلب کی پشت میں اور آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم میں آیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں پیدا فرما کر رسل کا سردار، آخری نبی رحمۃ للعالمین اور روشن اعضاء والوں کا قائد بنایا۔ تو جابر! یوں تیرے نبی کی تخلیق کی ابتداء ہوئی۔

اس حدیث کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے تلقیح الفہوم، امام خرکوشی نے شرف المصطفیٰ (۱/۳۰۷) میں، العجلونی نے کشف الخفاء (۱/۳۱۱) میں، قسطلانی نے مواہب اللدنیہ (۱/۷۱) میں، امام محمد جعفر الکتانی نے العلم النبوی (۲/۱۳۳) میں، امام الحلوانی نے مواکب ربیع (۲۷۔۳۳) میں اسی سند کے ساتھ نقل کیا۔

حدیث ظل: عبدالرزاق عن ابن جریج قال اخبر نی نافع عن ابن عباس قال: / لم یکن لرسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقم مع شمس قط الا غلب ضوءہ ضوء الشمس ، ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوء ہ ضوء السراج ۔ (لمصنف عبدالرزاق ج ا، حدیث ۴)

ترجمہ: امام عبدالرزاق ان جریج سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا مجھے امام نافع نے بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں تھا جب آپ سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ کے نور کی روشنی، سورج پر غالب آجاتی اسی طرح اگر کسی چراغ کے سامنے قیام ہوتا تو آپ کے نور کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آجاتی۔

اس حدیث کو بھی اکثر آئمہ نے اپنی اپنی کتب میں درج کیا اور اسے صحیح الاسناد کہا۔

دریافت شدہ قلمی نسخہ ۹۳۳ھ کا لکھا ہوا ہے اور اس کے کاتب کا نام اسحاق بن عبد الرحمٰن السلیمانی ہے

و لو لا ک ما خلقت الدنیا ۔

ترجمہ: اور اگر یا رسول اللہ ﷺ آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ فرماتا (زرقانی)

لولا ہ ما خلقتک ولا خلقت سماء و لا ارضا ۔

ترجمہ: اگر مصطفےٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں اے آدم تمہیں پیدا نہ کرتا اور نہ ہی آسمان وزمین کو پیدا کرتا۔(زرقانی)

گر ارض وسماء کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

عن ابن عباسؓ قال او حی اللہ الی عیسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ امن بمحمد واء مر من ادرکتہ من امتک ان یوء منو ا بہ فلولا محمد ما خلقت آدم و لو لا محمد ما خلقت الجنۃ ولا النار ولقد خلقت العرش علی المآء فاضطرب فکتبت علیہ لآ الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ فسکن۔ ہذا حدیث صحیح الاسناد

ترجمہ:۔ ابن عباس سے روایت ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اے عیسیٰ علیہ السلام محمد ﷺ کے ساتھ ایمان لاؤ۔ اور تیری امت سے جو تجھ کو ملے محمد ﷺ پر ایمان لانے کا حکم کر اگر نہ ہوتے محمد ﷺ میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا۔ اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور ضرور میں نے عرش کو پیدا کیا۔ پانی پر تو وہ بے قرار ہوا تو میں نے اس پر لکھ دیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو ساکن ہو گیا۔ (متدرک، زرقانی)

عن عمر بن الخطابؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لما اقترف آدم الخطیۃ قال یا رب اسئا لک بحق محمد لما غفرت لی فقال اللہ یا آدم و کیف عرفت محمدا ولم ا خلقہ قال یا رب لا نک لما خلقتنی بیدک و نفخت فی من روحک رفعت راسی فرئیت علیٰ قوائم العرش مکتوبا لا الہ الا اللہمحمد رسول اللہ۔ فعلمت انک لم تصف الی اسمک الا احب الخلق الیک فقال اللہ صدقت یا آدم انہ لا حب الخلق الی ادعنی بحقہ فقد غفرت لک و لو لا محمد ما خلقتک۔

ترجمہ:۔ عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی۔ تو فرمایا اے میرے رب میں محمد رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف فرمادے۔ تو رب العزت نے فرمایا اے آدمؑ تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے ابھی ان کو ظاہر نہیں فرمایا۔ حضرت آدمؑ نے دربار خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس لیے ان کو پہچانتا ہوں کہ جب تو نے اپنے دست قدرت سے مجھے پیدا فرمایا اور مجھ میں روح پھونکی۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو میں نے سمجھ لیا کہ تو نے اپنے نام کی طرف ساری مخلوق سے زیادہ محبوب کو منسوب فرمایا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا ہے۔ بے شک محمد رسول اللہ ﷺ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کی طفیل تو مجھ سے سوال کر تو میں نے تجھے بخشا۔ اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقلِ غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

(حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ)

قُرب

وَانّ الْقُرْبَ قُرْبَانِ۔ قُرْبُ النّوَافِلِ۔ وَ قُرْبُ الْفَرَائِضِ۔ اَمّا الْقُرْبُ النّوَافِلِ فَهُوَ زَوَالُ صِفَاتِ الْبَشْرِيّةِ۔ وَ ظُهُوْرُ صِفَاتِه تَعَالٰی بِاَنْ يُحْيِی وَ يُمِيْتُ بِاِذْنِه تَعَالٰی۔ وَ يَسْمَعَ وَ يَبْصُرَ مِنْ جَمِيْعِ جَسَدِه لاَ مِنَ مِنَ الْاُذُنِ وَ لْعَيْنِ فَقَطْ۔ وَ كَذَا يَسْمَعُ الْمَسْمُوْعَاتِ مِنْ بَعِيْدِ وَ عَلٰی هٰذَا الْقِيَاسِ۔ وَ هٰذَا مَعْنٰی فَنَآءِالصّفَاتِ فِیْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ هُوَ ثَمْرَةُ النّوَافِلِ۔

وَ اَمّا قُرْبُ الْفَرَائِضِ فَهُوَ فَنَاءَ الْعَبْدِ بِالْكُلّيّةِ عَنْ شَعُوْرِ جَمِيْعِ الْمَوْجُوْدَاتِ حَتّٰی عَنْ نَفْسِه اَيْضًا بِحَيْثُ لَمُيَبْقِ فِیْ نَظْرِه اِلّا وُجُوْدُ الْحَقّ سُبْحَانَه وَ تَعَالٰی هٰذَا مَعْنٰی فَنَاءِالْعَبْدِ فِی اللّٰهِ تَعَالٰی وَ هُوَ ثَمْرَةُ الْفَرَئِضِ۔

<u>ترجمہ:</u> قرب دو طرح کا ہے۔ ایک کو قربِ نوافل اور دوسرے کو قربِ فرائض کہتے ہیں۔

<u>قربِ نوافل</u> سے مراد صفاتِ بشری کا زوال اور صفاتِ الٰہی کا ظہور ہے۔ اس طرح کہ اللہ کے حکم سے زندہ کرے اور مارے۔ اور اس سے سننا اور دیکھنا صرف کان اور آنکھ سے نہ ہو بلکہ پورے جسد سے سنے اور دیکھے۔ اسی طرح آوازوں کو دُور سے سن سکے۔ علیٰ ہذ القیاس سب صفات بشری فنا ہو جائیں۔ صفاتِ بندہ کا اللہ تعالیٰ کی صفات میں فنا ہو جانا یہی ہے۔ اور یہ نوافل کا ثمرہ ہے۔

قرب فرائض سے مرادیہ ہے کہ بندہ کلّی طور پر تمام موجودات کے شعور سے حتیٰ کہ اپنے آپ کے شعور سے بھی فنا ہو جائے۔ یہ فنایت اس حد تک ہو کہ اس کی نظر میں سوائے وجودِ حقّ سبحانہ وتعالیٰ کے اور کوئی شے باقی نہ رہے۔ یہ معنیٰ ہیں بندے کے اللہ میں فنا ہونے کے۔

اور یہ ثمرہ ہے فرائض کا۔

(شیخ ابو سعید محمد مبارک معزمیؒ)

(تحفہ مرسلہ شریف)

صاحب قرب نوافل اپنے ارادے سے نیک کام کرتا ہے۔ صاحب نوافل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کا ہاتھ پاؤں ہو جاتا ہے۔ یعنی بجائے اپنے ہاتھ پاؤں سے کام کرنے کے تمام کام اللہ تعالیٰ سے لیتا ہے۔ صاحب قرب نوافل توجہ وہمت کا زور خوب لگاتا ہے۔ اس کا دل بڑا قوی رہتا ہے۔

صاحب قرب فرائض تحت امر الٰہی کام کرتا ہے۔ صاحب قرب فرائض کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کو کچھ کام کرنا ہوتا ہے تو اس سے لیتا ہے۔ کسی کو کچھ دینا ہوتا ہے۔ تو اس کے واسطے سے دیتا ہے۔ بظاہر ایسا ولی مجبور رہتا ہے۔ مگر حقیقۃ اس میں سے ارادہ الٰہی وقدرت خداوندی نمایاں رہتی ہے۔

صاحب قرب فرائض اپنے عدم اصلی پر نظر کرتا اور بے ہمت و بے ارادہ رہتا ہے۔ ایسے حضرات کے ہمت نہ کرنے کے کئی اسباب ہیں۔

(۱) اپنے عدم اصلی کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے کہ یہ کمال ہے۔

(۲) بے ارادہ ہمیشہ ذمہ داری سے آزاد و سبکدوش رہتا ہے۔

(۳) اسکی توجہ اللہ تعالیٰ پر رہتی ہے اور ہر شے میں اس کا جلوہ پاتا ہے۔ لہٰذا تصرف کو خلاف ادب سمجھتا ہے۔

قرب و بُعد دراصل اضافی الفاظ ہیں۔ قرب جب ہی ہوگا جب اس سے قبل فاصلہ کو مانا جائے اور فاصلہ کے لئے دو وجودوں کا ماننا ضروری ہے۔ توحید وجودی میں ثنویت کا تصور ہی نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ بُعد یا فاصلہ سے مراد تعینات کی موجودگی ہے۔ تقیدات و تشخصات اختیار کر کے وہ ذات بظاہر غیر ہو جاتی ہے یہی دراصل بُعد ہے۔ ان تقیدات کو مٹا دینا قرب یا فنائیت ہے۔ جیسے دھاگے کی گرہوں کو جو دھاگے سے الگ نظر آتی ہیں اگر کھول دیا جائے تو ایک دھاگہ ہی رہ جاتا ہے اس غیریت یا فاصلہ کو اصلی یا حقیقی نہیں کہا جا سکتا۔ عرفا کی اصطلاح میں قرب اور فنا اپنے اصل سے ملنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کبھی جسم کی فنا مراد ہوتی ہے تو کبھی نفس وجود کی فنا اور کبھی دونوں شامل ہوتی ہیں۔

اس طرح قرب سے مراد صفاتِ الٰہی سے متصف ہونا تعینات کا دور ہونا اور حجابات خودی کا اٹھنا ہے۔ جب انسان ان تعینات کو دور کرنے کی جدوجہد کرتا ہے اور مجاہدات و ریاضات سے منازل طے کرتا ہے تو اسے قرب نصیب ہوتا ہے۔

فنا

برادرِ سلوک اس کوشش کو بروئے کار لایا جائے کہ طرح طرح کی خام خیالیاں تیرے سینے کی حدود سے باہر خیمہ زن ہوں۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے ظہور کی روشنی سے تیرا باطن منور ہو جائے، تجھ کو تیری ذات سے رہائی نصیب ہو۔ اسطرح نہ تو تیری انا تجھ میں باقی رہے گی اور نہ ہی اس انا کے نہ ہونے کا احساس تجھے ہو گا۔ بلکہ ذاتِ احد و واحد کے علاوہ کوئی اور ذات تیرے دل میں گھر نہ کر سکے گی۔ فنائیت عدم شعور کو کہتے ہیں۔ ذات احد میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے۔

ہستی من رفت و خیالش بماند

ایں کہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

(یعنی میری ہستی رخصت ہوئی محض اسکا خیال رہ گیا۔ اب جو تُو دیکھتا ہے وہ میں نہیں ہوں بلکہ وہ ہے)

فنائے فنا اس بات سے عبارت ہے کہ باطن پر ذاتِ حق کے غلبہء ظہور کے سبب ہمارے پاس اسکی ذات کے سوا کوئی شعور باقی نہ رہے اور فنا کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم بے شعوری کا شعور تک بھی حاصل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ فنا کا باقی نہ رہنا بھی اسی طرح تصور فنا میں مضمر ہے کیونکہ اگر فنا فی الذات ہو جانے والے کو اپنے فنا ہو جانے کا ذرہ بھر بھی خیال رہا تو وہ مقام فنا پر فائز نہیں کیونکہ فنا کی صفت اور اس صفت کا حامل دونوں حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات سے الگ ہیں۔ لہٰذا فنا کا شعور بھی صفت فنا کے منافی ہے۔

تومباش اصلا کمال این است او بس   رو درو گم شو وصال این است و بس

حضرت فرید الدین عطارؒ

خودی کو مٹادے یہی ہے کمال   تو خود کو فنا کر یہی ہے وصال

سر گشتگانِ عشق و محبت کو فنا کر دینا ہی عین مدد ہے۔

اللہ ہی ان کا معین و مددگار ہے۔ اپنے آپ کو فنا کر دینا بندے کا فعل نہیں خدا کا کام ہے۔

فنا تین طرح کی ہے:

فنائے افعالی: اپنے افعال اور خلق کے افعال کو افعال حق میں فنا کر دینا۔

فنائے صفاتی: اپنی صفات کو اور خلق کی صفات کو صفاتِ حق میں فنا کر دینا۔

فنائے صفاتی کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے اسے قرب نوافل کہتے ہیں یعنی بندہ کی صفات اور افعال کا فنا ہو جانا اور انکی جگہ خدا کی صفات اور خدا کے افعال کا قائم ہونا۔

فنائے ذاتی: اپنی ذات کو اور خلق کی ذات کو ذات حق میں فنا کر دینا۔ اس کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے اسے قرب فرائض کہتے ہیں۔ اس مرتبہ میں بندہ اپنی ذات سے غائب اور ذات حق میں حاضر ہو جاتا ہے قرب فرائض میں بندہ رنگِ بے رنگی میں رنگ جاتا ہے۔ اسی کو رجوع الی البدایتہ کہتے ہیں۔

یہی مقام عبدیت۔ جمع الجمع اور بقاباللہ ہے۔

وحدت الوجود

وحدۃ الوجود کے قائلین میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو علم الیقین کے ساتھ یہ تو جانتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ، ظاہراً وباطناً تمام موجودات کی حقیقت ہے۔ لیکن یہ لوگ خلق میں حق کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو شہود قلبی کے ساتھ خلق میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ مرتبہ پہلے مرتبے سے اعلیٰ وافضل ہے۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو حق کا خلق میں اور خلق کا حق میں اس طرح مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ ایک کو دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں مانع نہیں ہوتا۔ یہ آخری مرتبہ پچھلے دونوں مراتب سے اولیٰ واعلیٰ ہے۔ یہ انبیاء کا مقام ہے اور ان کی متابعت میں اقطاب کو بھی حاصل ہے۔ جو شخص شریعت اور طریقت کا مخالف ہو اس کے واسطے تو ان مذکورہ مراتب میں سے متوسط مرتبہ کا حاصل ہونا بھی محال ہے چہ جائیکہ اسے آخری مرتبہ حاصل ہو جو سب سے افضل واعلیٰ ہے۔ تمام موجودات بحیثیت تعین اس کا غیر ہیں۔ یہ غیریت اعتباری ہے۔ ورنہ تحقق کے لحاظ سے کل حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ اس کی مثال حُباب، موج اور برف کی ہے۔ یہ سب اپنے تحقق کے لحاظ سے پانی کا عین ہیں۔ مگر تعین کی رُو سے پانی کا غیر ہیں۔ اسی طرح سراب کی مثال ہے کہ اپنے تحقق کی حیثیت سے وہ عین ہَوا ہے۔ جب کہ بلحاظ تعین غیر ہَوا ہے۔ سراب در حقیقت ہَوا ہے جو پانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

وحدۃ الوجود کے بارے میں قرآن مجید میں بہت سے دلائل ہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تَوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے مشرق و مغرب ہے۔ تم جدھر بھی اپنا رخ کروگے اللہ کا چہرہ پاوگے

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد

ترجمہ: اور ہم اس سے (اس کی) شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

ایک اور جگہ یوں فرمایا ہے:

وَ هُوَ مَعَكُم اَيْنَمَا كُنْتُم

ترجمہ: اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے

ایک اور جگہ یوں فرمایا ہے:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۔

ترجمہ: اور ہم (بندے کی طرف) تم سے زیادہ قریب ہیں۔
لیکن تم دیکھ نہیں پاتے ہو۔

اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔

ترجمہ: اے رسول ﷺ) جو لوگ تمھاری بیعت کرتے ہیں وہ (یقینا) اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

ایک جگہ یوں فرمایا :

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰ خِرُ وَ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

ترجمہ: وہ اوّل ہے اور وہ آخر، وہ ظاہر ہے اور وہ باطن اور وہ ہر شے کو جانتا ہے۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوتا ہے :

وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔

ترجمہ : اور وہ تمھاری جان میں ہے، تو پھر کیا تم نہیں دیکھتے۔

پھر ایک جگہ فرمایا :

وَاِذَا سَئَاَ لَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِ نِّیْ قَرِیْبٌ

ترجمہ: اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں قریب ہوتا ہوں۔

ایک اور مقام پر یہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ مَارَ مَیْتَ اِزْ رَ مَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَ مٰی وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُحِیْطاَ۔

ترجمہ: اور (اے رسول ﷺ) جب آپ نے (کنکریاں) پھینکیں تو آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں۔ اور اللہ ہر شے کا احاطہ کرنے والا ہے۔

اسی طرح اور بھی آیات ہیں جو وحدۃ الوجود پر دلالت کرتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی احادیثِ مبارک بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا :

اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَتْہُ الْعَرَبُ کَلِمَۃُ لَبِیْدٍ

اَلَاکُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ۔

ترجمہ: سب سے سچا کلمہ جو عرب نے کہا ہے وہ لبید کا یہ کلمہ ہے۔

کیا اللہ کے سوا سب کچھ باطل نہیں ہے ؟ (یعنی باطل ہے)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اَحَدُکُمْ اِذَا اَقَامَ الصَّلٰوۃُ فَاِنَّمَا یُنَاجِیْ رَبَّہٗ فَاِنَّ رَبَّہٗ بَیْنَہٗ

وَبَیْنَ الْقِبْلَۃِ۔

ترجمہ: تم میں سے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ ضرور اپنے ربّ سے

سرگوشی کرتا ہے کیونکہ اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے۔

ایک اور حدیثِ پاک میں آیا ہے:

لَا یَزَالَ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلَ حَتّٰی اَحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا

ہے حتیٰ کہ اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں

کُنْتُ سَمْعَہٗ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہٗ الَّذِیْ یَبْصُرُبِہٖ

وَیَدَہٗ الَّذِی یَبْطِشُ بِہٖ

ترجمہ: تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ، جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے۔

وَ لِسَانَہٗ الَّذِی یَنْطِقُ بِہٖ وَ رِجْلِہِ الَّذِیْ یَمْشِیْ بِہٖ۔ فَبِیْ یَسْمَعُ وَ بِیْ یَبْصُرُ وَ بِیْ یَمْشِیْ، اِلٰی غَیْرِ ذَالِکَ

ترجمہ: اور اسکی زبان جس سے وہ کلام کرتا ہے اور اس کے پاؤں، جن سے وہ چلتا ہے۔ پس اس کا سننا، دیکھنا، چلنا پھرنا اور دیگر سب کام مُجھی سے ہوتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد کیا :

اِن اللہ یَقُول مَرِضْتُ ولَم تَعُدنِی۔۔۔۔۔۔۔(الیٰ اٰخرہ)

ترجمہ: حق تعالیٰ (قیامت کے دن) فرمائے گا کہ میں بیمار تھا تم نے میری عیادت نہ کی، میں بھوکا تھا تم نے مجھے روٹی نہ دی، میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ دیا.....

وہ بندہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میں نے تو تجھے دنیا میں بیمار، بھوکا اور پیاسا نہیں دیکھا تھا۔ ارشاد ہو گا کہ فلاں بیمار جس کی تو نے عیادت نہ کی، میں ہی تھا۔ فلاں بھوکا سائل جسکو تو نے کھانے کے لیے کچھ نہ دیا میں ہی تھا۔ فلاں پیاسا جس کو تو نے پانی نہ پلایا، میں ہی تھا۔

ترمذی نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر میں آنحضرت ﷺ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْاَنَّکُمْ وَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُفْلٰی ...... لَھَبِطَ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی ۔

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر تم سب سے نچلی زمین پر رسّی ڈالو تو وہ بالضرور اللہ تعالیٰ پر گریگی۔

ثُمَّ قَرءَا عَلَیْہِ السَّلَامُ

یہ فرما کر آنحضرت ﷺ نے یہ آیۃ پڑھی

ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّا ھِرُوَالْبَاطِنُ وَ ھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ ترجمہ: وہ اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر ایک شے کو خوب اچھی طرح سے جاننے والا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث پاک ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے:

اَلْوَحْدَۃُ اَسْقَاطُ الْاَضَا فَاتِ

ترجمہ: وحدت اِضافتوں اور نسبتوں کا ساقط ہونا ہے۔

وحدۃ الوجود کے بارے میں امامانِ طریقت علیہم الرحمۃ کے اقوال اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ اس لیے میں نے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا۔ اگر تمھیں یہ فرمودات جاننے کا شوق ہو تو ان بزرگوں کی کتابوں کا مطالعہ کرو، ان میں تمھیں یہ سب باتیں لکھی ہوئی مل جائیں گی۔

اے طالب!

اگر تم واصل بحق ہونے کا ارادہ رکھتے ہو تو سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تم اپنے قول و فعل اور ظاہر و باطن میں جناب نبی کریم ﷺ کی متابعت اختیار کرو۔ پھر وحدۃ الوجود کا مراقبہ کرو۔ یہ عین کلمہء طیبہ کا معنی ہے۔ اس میں وضو کی شرط نہیں ہے

لیکن اگر وضو ہو تو بہتر ہے اسی طرح وقت کی بھی تخصیص نہیں ہے اور نہ ہی سانس کے اندر آنے یا باہر جانے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس میں کلمہ طیبہ کے حروف کی بجائے صرف اس کے معانی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اور ہر حالت میں.........یعنی کھڑے یا بیٹھے یا لیٹے ہوئے چلتے پھرتے کھاتے پیتے غرضیکہ ہر سکون و حرکت میں.........اس کام کو کرتے رہو۔

مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تم اپنی انانیت (یعنی "میں" ہونا) کی نفی کرو۔ انانیت کا مطلب تمھارا اپنی حقیقت اور اپنے باطن کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا غیر جاننا ہے۔ بس اسی انانیت کی نفی کی جاتی ہے۔ اور یہی معنیٰ ہیں الا اللہ کے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب "وجود" واحد ہے اور اس کا غیر سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو پھر نفی کس کی اور اثبات کس شے کا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوئی کا وہم حالانکہ سراسر باطل ہے۔ تاہم یہ خلق کے لیے پیدا تو کیا گیا ہے۔ لہٰذا تمھارے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس وہم کی نفی کرو اور اس کے بعد **حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو اپنے باطن میں ثابت کرو۔**

اے طالب حق!

جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے تم پر حال کا غلبہ ہو جائے گا تو تمھیں اپنی انانیت۔۔۔جو ایک وہمی شے ہے۔۔۔کی نفی کرنے کی ضرورت نہ رہے گی بلکہ اس وقت تمھارے اندر سوائے اثباتِ حق تعالیٰ شانہٗ کے اور کچھ باقی نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی حرمت کے طفیل ہمیں اور تمھیں اس مقام کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

شیخ ابوسعید مبارک معزمی
(تحفہ مرسلہ شریف)

فلا حاجة لک من خارج وفکرک فیک وما تفکر

تجھے باہر سے کوئی حاجت نہیں تیرا فکر تجھ میں ہے اور تو نہیں فکر کرتا

تصنیف لطیف حضرت امام حسینؓ شہید کربلا مراۃ العارفین

یا طالبا لوجود الحق ید رکه

اے وجود خدا کے طالب خدا کو پالوگے

ارجع لذاتک فیک الحق فالتزم

اپنی ذات کو رجوع کرو تم میں حق ہے اسی کو لازم پکڑو۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں مسئلہ وحدۃ الوجود حق و صحیح ہے۔ اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ فقیر و مشائخ فقیر اور جن لوگوں نے فقیر سے بیعت کی ہے۔ سب کا اعتقاد یہی ہے۔ اول جس نے اس مسئلہ میں خوض فرمایا شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ہیں ان کا اجتہاد اس مسئلہ میں اور اثبات مسئلہ کا براہین واضح سے ہے۔ جمیع موحدان کی گردن پر تا روزِ قیامت موجب احسان ہے۔ یہ راہ چلنے کی ہے۔ صرف کہنے اور بتانے کی نہیں ہے۔ کہنے سے جاننے تک اور جاننے سے دیکھنے اور ہونے تک بڑا فرق ہے۔ اگر انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور نظر تعمق سے اس مسئلہ کی حقیقت دریافت کریں تو سوائے حیرت در حیرت بدوں فنا در فنا کچھ حاصل نہیں ہوتا پھر بھلا خاک بیان کریں ایسا ہے یا ویسا ہے۔

آں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

صالحین سلف سے معلوم ہوا ہے کہ اصل میں تو یہ مسئلہ حق و بالیقین ہے۔ لیکن صدق اس کا اس وقت معلوم ہوتا ہے۔ کہ طالب محنت و مشقت اور استغراق اور ترک خطرات ماسوا کے ذریعہ سے اپنی خودی سے دور ہو اور جب خیال خود سے گزرا گویا سب سے گزر گیا۔ کوئی چیز اس کے نظر و خیال میں باقی نہیں رہتی بلکہ ہستی حق کا معائنہ کرتا ہے اور جس وقت نظر سالک تقیّدات و ہستی ماسوا سے اُٹھ گئی سوا خدا کے اور کچھ نظر نہیں آتا بے خبر ہو جاتا ہے۔

ہُو ہُو کہنے کا کیا ذکر انا انا کہنے لگتا ہے۔ اس کو مرتبہ فنا در فنا کہتے ہیں۔

ان اقوال کو نَے کا کہا ہوا نہ خیال کرنا چاہئے بلکہ نَے نواز کا سمجھنا چاہئے۔

مولانا روم فرماتے ہیں۔ نَے کہ ہر دم نغمہ آرائی کند

فی الحقیقت از دمِ نائی کند

سلطان الانبیاء صل اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس حال کی خبر دی ہے۔

لِیْ مَعَ اللهِ وَ قت لاَ یَسعَنِی فِیْہِ مَلکٌ مُقَرّب وَلَا نبی مُرْسَل۔

اور آپ کی امت میں سے خاص حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے کہاہے:

سبحانی ما اعظم شانی اور حضرت حسین بن منصور حلاجؒ نے انا الحق کہاہے۔

یہ سب اسی باب میں ہے لیکن اس کے باوجود غیرت اعتباری کہ اصطلاحی ہے درمیان عبد ورب سے مرتفع نہیں ہوتی ہرچند کہ حالت فنامیں شعور نظر سالک میں باقی نہ رہاہو۔کیونکہ جب بے شعوری سے پھر شعور میں آیاتو جانا کہ میں اپنے سے بے خبر ہو گیاتھا۔ مثل اس لوہے کے ٹکڑے کے کہ آگ میں سرخ ہو کر پکار اُٹھاکہ میں آگ ہوں۔اس کے اس قول کاانکار نہیں ہوسکتالیکن فی الوقع آگ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ایک حالت ہے کہ اس لوہے پر عارض ہوگئی ہے۔ورنہ لوہالوہاہے اور آگ آگ ہے۔یہ ایک کرشمۂ حقیقت وحدۃ الوجود کاہے۔

ایک لطیف تمثیل۔

بندہ قبل وجود خود باطن خدا تھااور خدا ظاہر بندہ۔۔ کنت کنزا مخفیا۔۔ اس پر دلیل ہے حقائق کونیہ کہ جو نتائج علم الٰہی ہیں ذات مطلق میں مندمج و مخفی تھے اور صرف اپنی ذات پر ظاہر تھے۔جب ذات نے چاہاکہ ظہور خود دوسری نہج پر ہو اعیان کو ان کے لباس قابلیلات میں اپنی تجلی کے جلوے سے ظاہر فرمایااور خود شدتِ ظہور سے ان کی نگاہوں سے مخفی ہو گیا مثل تخم کے کہ درخت مع تمام شاخوں اور پتوں وپھول وپھل کے اس میں چھپاتھا۔ گویا کہ تخم بالفعل تھااور شجر بالقوہ۔۔جب تخم نے اپنے باطن کو ظاہر کیاتو خود چھپ گیاجو کوئی دیکھتاہے درخت کو دیکھتاہے تخم

دکھائی نہیں دیتا اگر غور سے دیکھا جائے تو تخم بصورت درخت کے ظاہر ہوا۔ تخم بالقوہ اور درخت بالفعل ہرچند کہ ایک وجہ سے کہ تخم و درخت ایک ہے، جدائی نہیں ہے۔ عینیت پائی جاتی ہے۔ لیکن دلائل غیریت وجدائی کے بھی اس میں موجود ہیں اور واقعی ہیں، حفظ مراتب اس میں ضرور ہے کیونکہ صورت و شکل و تاثیر و خواص تخم کے اور ہیں اور اجزائے درخت کے اور۔ وجوہات غیریت بھی بہت ہیں۔ مرد صاحب عقل اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اگرچہ ازروئے عینیت تخم و درخت ایک ہے۔ لیکن یہ وحدت اعتباری اصطلاحی ہے۔ نہ باعتبار حلول کے اور نہ اتحاد کے یعنی بالقوہ اور بالفعل شراکت رکھتا ہے۔ پس جو کہ بالفعل تھا بالقوہ ہوا۔ اور جو کہ بالقوہ تھا بالفعل ہوا۔

فھم من فھم

کسی نے کیا خوب کہا ہے

ترا ز دوست بگویم حکایتے بے پوست

ہمہ از وست اگر نیک بنگری ہمہ اوست

دوست کی ایک کھلی ہوئی حقیقت تجھ سے بیان کرتا ہوں۔

سب اسی سے ہے۔ اگر غور کر تو سب وہی ہے۔

فائدہ

جب دو جہت سے نسبت عبد و رب ثابت و محقق ہوئی لازم آیا کہ واسطے مروج کرنے کے مرتبہ پست ترین نزول سے اور حصول قرب و وصال اور پہنچنے درجہ عبدیت حقیقی کے سبب سے کار ضروری میں مشغول ہووے اور وہ مجاہدہ اور مراقبہ ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ؕ عبادت کرنا یعنی عبد ہونا در حقیقت عبد اللہ حقیقی خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ ہیں۔

عبد ہونا دشوار ہے، جب تک کہ کوئی وہم الوہیت خود سے تماماً و کمالاً نہ گزرے اس مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ بنابراں مجاہدات و ریاضت، ترک تعلق دنیا و حظ نفس و ترک توہم ماسوا واجب ہوا تاکہ ذکر و فکر درستی و راستی سے ظاہر ہو۔ جب پہلے صیقل ذکر سے نفس مطیع و قلب صاف ہو جائے اور ذوق و شوق میں ترقی ہو، دل خطرات سے رک جاوے۔

اب وقت مراقبہ لاموجود الا اللہ کا آیا۔

جب اس مراقبہ میں ہمہ از وست سے اغماض نظر کر کے ہمہ اوست کو پیش نظر رکھے۔ اس استغراق میں فیض باطنی و جزبہ غیبی مدد فرماتا ہے۔ جو کچھ کہ اس کے سوا ہے اس سے بے خبر ہوتا ہے اور اس بے خبری کی تمیز بھی نہیں ہوتی۔ دیکھتا ہے جو دیکھتا ہے اور جانتا ہے اور جو کچھ جانتا ہے، کہتا ہے، جو کچھ کہتا ہے، بہر صورت معذور ہے، یہ ہے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الموجود جیسے لوہا کہ آگ میں رنگ آگ کا پاکر انا النار کہہ اٹھا نہ یہ انقلاب حقیقت سے آگ ہو گیا۔ حال سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ قال سے۔

مقام غور ہے یعنی جس حالت میں لوہے نے اپنے کو آگ کے حوالے کر دیا اپنے لوہا ہونے کے خیال سے گزر کر اس انتظار میں ہے۔ کہ آتش مستولی ہو اور اپنا رنگ عطا کرے۔ اس تصور میں اگر دوسرا خیال گزرے ، اس کے لئے شرک ہے کہ مانع مقصود و قاطع الطریق اس کا ہے۔

یہ مطلب ہے اس کا جو ضیا القلوب میں ملاحظہ سامی ہوا۔

کہ مراقبہ ہمہ اوست میں جب تک کہ فرق ظاہر و مظہر پیش نظر سالک ہے بُوئے شرک باقی ہے۔

واللہ اعلم۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (کلیات امدادیہ)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے تخم و درخت کی جو مثال پیش کی ہے اسے زیادہ سلیس اور آسان لفظوں میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ مقصد واضح ہو جائے۔

ایک درخت ہماری نظروں کے سامنے ہے جس میں تمام خواص شجری موجود ہیں۔یعنی برگ و بار غنچہ و گل، شاخ و تناسب سے آراستہ ہے۔ غور کریں کہ یہ درخت مع اپنے تمام لوازمات کے آیا کہاں سے۔ ہم نے ایک بیج بویا۔ اسی بیج سے ایک پیکا پھوٹا۔ پھر وہ پودا ہوا۔ پودے سے بڑھ کر ایک درخت کی شکل میں نمودار ہوا۔ جو تنا کے ستون پر قائم ہے۔ تنا سے شاخیں نکلیں۔ شاخوں میں پتے آئے۔ ۔ کونپلیں نکلیں۔ پھول آئے۔ پھل آئے۔ کلیاں نظر آئیں۔ کانٹے بھی دکھائی دیئے۔ اب اگر غور کریں تو یہ تمام کا تمام منظر محض ایک تخم کی سحر کاری ہے۔ ایک بیج کی یہ سب شکلیں یا اس کے تعینات ہیں۔ اس تمام کارخانے کی اصل محض ایک تخم ہے۔ گویا اس تخم میں یہ پورا شجر پوشیدہ تھا۔ اب اگر ہم یہ کہیں کہ درخت اور اس کی تمام فروعات بلحاظ اصل تخم ہے تو غلط تو نہیں۔ اس کے باوجود اس کا ہر تعین یا اس کی ہر شکل مختلف خصوصیات کی حامل ہے۔ پودے کی خصوصیت علیحدہ ہے۔ شاخوں کی علیدہ، پتوں کی الگ، پھول کی الگ، کانٹے کی الگ، حالانکہ یہ تمام مظاہر ایک ہی تخم کے ہیں۔ مزید بر آں ایک کا نام دوسرے کو نہیں دے سکتے۔ کانٹے کو کانٹا اور پھول کو پھول ہی کہیں گے۔ تنے کو برگ اور برگ کو تنا نہیں کہہ سکتے۔ کانٹے سے پھول کی خوشبو اور پھول سے کانٹے کی اذیت رسانی کی توقع نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس تمام کثرتِ شجری میں ایک وحدت تخم کارفرما ہے۔ اس تخم کا یہ سفر بالآخر تخم پر ہی اختتام پزیر ہوتا ہے۔ اسی طرح ذات احد نے یہ مختلف شکلیں اور مختلف تعینات اختیار کئے ہوئے ہیں۔ نام تعین کا ہی لیا جاتا ہے اور اس میں اسی تعین کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ چنانچہ بندہ کو خدا اور خدا کو بندہ نہیں کہہ سکتے۔

نہ کسی اور شے کو خدا کہہ سکتے ہیں۔ بندہ کے تعین کو بندہ ہی کہا جائے گا۔ دیگر اشیا کو بھی اسی تعین کا نام دیا جائے گا۔ انجام کار یہ تمام تعینات مٹا دئے جائیں تو محض ذات رہ جاتی ہے۔
بالکل اسی طرح جیسے تمام تعینات شجری مٹ کر اختتام پھر تخم پر ہوتا ہے۔

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون ۔

حضرت ابن عباسؓ نے اور ان کی تقلید میں تمام عرفاء نے ''لیعبد ون'' کی تشریح لیعرفون کی ہے۔ اسے نہ عبادت کی ضرورت ہے نہ وہ ہماری عبادت کا محتاج ہے۔ لیکن لیعرفون کی تشریح سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ گو اسے عبادت کی خواہش نہیں لیکن اپنی معرفت کی اور اپنے پہچانے جانے کی ضرور خواہش تھی۔ جو اس حدیث قدسی سے ثابت ہے۔

کنت کنزاً مخفیاً فا حببت ان اعرف فخلقت الخلق۔

یعنی میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاوں تو میں نے خلق کو پیدا کیا۔
اس سے صاف ظاہر ہے کہ خلق کو پیدا کرنے کی خواہش اسے محض اس لئے تھی کہ وہ پہچانا جائے۔ جب تک کوئی عابد نہیں ہو گا۔ ساجد نہیں ہو گا۔ عاشق نہیں ہو گا۔ اس کا معبود یا مسجود یا معشوق ہونا ممکن نہیں۔ اس طرح اس کا معبود، مسجود یا معشوق ہونا عابد، ساجد، اور عاشق ہونے پر موقوف ہے۔ مرتبہ لاتعین میں وہ ذات استغنائے کُلی میں مستغرق تھی۔ لیکن اسے اپنی معرفت مقصود تھی۔ اس کی صفات کو جو اس میں مندمج تھیں۔ ظہور کی تڑپ تھی۔ دیکھے جانے اور پہچانے جانے کی خواہش تھی۔ آخر کُن کہہ کر ان سب کو ظاہر فرما دیا۔ تمام اسماء و صفات نے تقید و تعین اختیار کر لیا۔ اس طرح وہ خود ظاہر ہو گیا اور اس نے خود کو دیکھا اور پہچانا۔

یہی تنزیہہ اور تشبیہ ہے جو توحید کی اصل ہے۔

یہ عالم تقیدات کا نام ہے۔اس کے اسماء وصفات کا ظہور ہے۔ان تقیدات وتعینات یعنی اسماء و صفات کی جامع شکل انسان ہے۔ جس میں وہ ذات بدرجہ اتم جلوہ گر ہے۔

خلق آدم علیٰ صورتہ (صحیح مسلم بروایت ابوہریرہؓ)

(یعنی آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا)

کا یہی مطلب ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا اور تعینات وتقیدات کو جان لینا ہی معرفت حق ہے۔ حدیث :

"من عرف نفسہ فقد عرف ربہ"

(یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا)

سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔یہی عبادت کا مقصد اور عبادت کی انتہا ہے۔جب بندہ بموجب حدیث قرب نوافل اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، پاوں، آنکھ، کان اور زبان سب کچھ ہو جاتا ہے تو خود بندے کی حیثیت کچھ نہیں رہتی۔

اس کو ایک مثال سے سمجھا جائے۔

ایک شخص طبیب ہے۔اب اگر وہ خود بیمار ہوتا ہے تو بحیثیت طبیب خود اپنے مرض کی تشخیص کرتا ہے اور اپنے لئے خود ہی علاج تجویز کرتا ہے۔یہاں اس شخص کی دو جہات ہو گئیں۔

یعنی وہ خود مریض بھی ہے اور خود اپنا معالج بھی۔ طبیب کی جہت سے وہ معالج ہے اور بیماری کی جہت سے وہ خود ہی مریض ہے۔ اس طرح دونوں تعین فرد واحد کے ہیں۔ ایک ہی فرد کسی کا باپ ہے۔ کسی کا بیٹا۔ کسی کا دادا ہے تو کسی کا پوتا۔ اس سے اس فرد کی یکتائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسی طرح وہ ذات مرتبہ لاتعین میں تشخصات اسماء و صفات سے مبرّا ومنزہ ہے۔ لیکن جب اسماء و صفات کے تقید میں ہوتی ہے تو تمام تعینات اسی کے ہیں۔ تعینات ایک دوسرے کے غیر بلکہ ضد ہوسکتے ہیں۔ لیکن بلحاظ اصل ایک ہی ذات ہے جو یہاں سے وہاں تک جاری وساری ہے۔

ان تعینات وتقیدات کے تغیر و تبدل سے اس کی اصل متاثر نہیں ہوتی۔ ہر تعین کی اپنی الگ خصوصیت اور اپنے خواص ہیں جو باہمد گر مختلف اور متضاد ہوسکتے ہیں۔ حکم تعین پر ہی لگتا ہے۔ اس طرح ذات نے بے شمار تعینات وتقیدات کے لباس پہن رکھے ہیں۔ جو اسکی یکتائی اور احدیت کو ہرگز مانع نہیں ہیں۔ انہی حجابات و تشخصات میں اصل ذات کو دیکھنا معرفت الٰہی ہے۔ اس طرح وہ خود عابد ہے اور خود ہی معبود، خود ہی ساجد ہے خود ہی مسجود۔ خود ہی عاشق ہے۔ خود ہی معشوق۔ کہیں والضال (گمراہ کرنے والا) ہے کہیں ہادی۔ کہیں وہ المذل (ذلت دینے والا) ہے تو کہیں المعز (عزت دینے والا)۔ کہیں رحمٰن و رحیم ہے۔ تو کہیں جبار و قہار۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ وہ خود عابد ہو کر خود اپنی عبادت کرتا ہے۔ تو جائے حیرت نہیں۔

ابتدا میں کہا جاچکا ہے کہ اسکی دو شانیں تنزیہہ وتشبیہ ہیں۔ بلحاظ تنزیہہ وہ تمام صفات و آثار واحکام سے پاک ومنزہ ہے۔ شان تشبیہ میں تقید واعتبارات ہیں۔ عبادت میں با اعتبار اطلاق وہ ذات معبود و مسجود ہے اور بلحاظ تقید وتعین وہی عابد و ساجد۔ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ظاہر خود اپنے باطن کی عبادت کرتا ہے تاکہ باطن سے واصل ہو جائے جو اسکی اصل ہے۔

ھو الظاہر ۔ ھوالعابد ۔ ھو المعبود۔ غور کرنے کی بات ہے قبل ظہور وہ ذات نہ معبود تھی نہ مسجود تھی، عابد اور ساجد کے ظہور نے اسے معبود و مسجود بنایا۔ لیکن یہ عابد و ساجد آئے کہاں سے۔

اسی کنزِ مخفی کے ظہور ذاتی وصفاتی کی ایک شان عابد و ساجد کہلائی تا کہ دوسری شان معبودیت و مسجودیت کا ظہور ہوسکے۔ لہٰذا اس کی صفت ساجدیت اسی کی صفت مسجودیت کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ ایک ہی انسان عدالت کی کرسی پر ہو تو حاکم ہے۔ کٹھرے میں ہو تو ملزم اور وکالت کرنے والے کی صورت میں ہو تو وکیل ہے۔ لیکن بحیثیت انسان ان تینوں میں کوئی فرق نہیں۔

حق تعالیٰ میں تمام صفات بحد کمال موجود ہیں۔ ہر صفت اپنا ظہور چاہتی ہے۔ وہ رحمٰن و رحیم ہے تو جبار و قہار بھی۔ المضل و المانع سے بھی موسوم ہے۔ اسی طرح جنت اور اسلام وغیرہ اس کی صفت ہدایت کے مظہر ہیں۔ اور دوزخ وکفر وغیرہ صفت مُضلی کے۔ جس طرح اسکی صفت ہدایت یا صفت جمال کا اظہار ضروری ہے اسی طرح صفت مُضلی یا جلال کا بھی ظہور ضروری ہے۔ صفتِ رحمیت یا رحمانیت اگر ظہور چاہتی ہے تو صفت جباریت اور قہاریت بھی ظہور کی طالب ہے۔

لیس فی الدار غیرہ موجود

فھو اللہ حامد محمود

ترجمہ: اس گھر میں اس کے سوا کوئی موجود نہیں وہی حامد ہے وہی محمود ہے۔

صوفیا کہتے ہیں وہی حامد ہے وہی محمود۔ یہ سن کر سطحی علم چیں بہ جبیں ہو جاتا ہے۔اور برہمی کے ساتھ ان جملوں کو خلاف ادب وخلاف شریعت اور نہ جانے کیا کیا قرار دیتا ہے۔ مگر جب ہم کہتے ہیں الحمدللہ رب العالمین۔ تو خود نہیں کہتے بلکہ تعلیم الٰہی سے کہتے ہیں۔اس نے خود فرمایا ہے الحمدللہ رب العالمین۔ ظاہر ہے یہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد فرمائی۔ پس وہ خود ہی اپنا حامد ہوا اور چونکہ خود اپنی ہی حمد کی ہے۔اس لئے وہ خود ہی محمود ہوا اور یہ بات ثابت ہوئی کہ وہ خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود۔

وحدت الوجود ہمہ اوست ہے۔ نہ ہر شے اوست ہے۔

(سب وہی ہے) (ہر شے خدا ہے)

ہمہ اوست اور ہر شے اوست دونوں میں بہت فرق ہے۔ جزو کبھی کُل نہیں ہو سکتا۔ ہم بحیثیت مجموعی ہم ہیں۔ کوئی ہمیں چھونا چاہے تو چھُو نہیں سکتا۔ہاتھ پیَر سر یا جسم کے کسی بھی حصے کو چھُونے سے صرف اسی حصے کو چھونا کہلائے گا۔ ہم پھر بھی ہاتھ نہیں آئیں گے۔ کسی جزو کو کل کا بدل نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسکی مثال خود ہم ہیں۔ ہم اپنے کسی عضو کو ہم نہیں کہہ سکتے۔ آنکھ ،ناک، کان،ہاتھ اور پاوں کسی حصہ کو اسی حصہ کا نام دیا جائے گا۔ بحیثیت مجموعی ان تمام اعضا کا مجموعہ ہم ہیں۔اسی باعث بت پرستی شرک ہے کہ بُت کو خدا یا جزو کو کُل سمجھ لیا گیا ہے۔

اس طرح یہ کائنات بحیثیت مجموعی اس ذات کا ظہور ہے۔ کسی ایک فرد یا ایک شے میں اس کو محدود نہیں کیا جا سکتا۔ خلق بحیثیت اصل ذات ضرور ہے لیکن بحیثیت تعین وہ غیر ذات ہے۔ گو وہ اعتباری ہیں، یہی وحدت الوجود کی صحیح تعبیر ہے۔ معترض حق تعالیٰ کو اپنی ذات بلکہ تمام کائنات سے بالکل الگ تصور کرتا ہے۔ زبان سے کہتا تو ہے وحدہ لاشریک لیکن واقعی اسے وحدہ لا

شریک سمجھتا نہیں۔ گویا اس کا قول محض رسمی ہوتا ہے اور عالم تشبیہہ میں ہر قدم پر وہ اسے محدود بناتا اور محدود دیکھتا ہے۔ اس کی نظر میں اس کے عقیدے اور مذہب میں ہر چیز من کل الوجوہ غیر حق ہے۔ لہٰذا اپنے اس مفروضہ اور وہمی غیر حق کو وہ

حق تعالٰی کے مقابل زبردستی کھڑا کرتا ہے۔ اور اس طرح اس کے ذہن میں جو صورتِ حال پیدا ہوتی ہے اس کے پیش نظر وہ اعتراضات کرتا ہے۔ اس قسم کی مفروضہ صورتِ حال اسلامی عقیدہ توحید کے منافی ہے اور عقیدہ وحدت الوجود اسی غلط اور غیر اسلامی توحید کی اصلاح کرتا ہے۔

وحدہ لاشریک لہ کے صحیح معنی یہ ہیں کہ وہ ذات جسے حق کہا جاتا ہے۔ تنزیہہ اور تشبیہہ کے جامع ہے اور ہر مرتبے میں ذاتاً، صفاتاً اور فعلاً ہر لحاظ سے ''لاشریک'' ہے۔ خواہ عالم اطلاق ہو یا عالم تقید وہی وہ ہے۔ دوسری ہستی ہے ہی نہیں جو اس کی ذات اس کے وجود اور اس کی صفات میں شریک یا اس کے مقابل ہو۔ وہی ہے اور کوئی نہیں۔ تغیر اس کی شانوں میں ہوتا ہے۔ اس کی ذات میں نہیں۔ جو نظر آتا ہے اسی واحد حقیقی یعنی وحدہ لاشریک لہ کی کوئی نہ کوئی شان ہے۔

''کل یوم ھو فی شان''

وہ بلا شرکت غیرے سب کچھ ہے۔ دراصل اس کا غیر معدوم حقیقی ہے۔

لہٰذا صوفیائے حقیقت بین نے اسے ''توحید ذاتی'' یا ''وحدت الوجود'' کہا تاکہ توحید ذاتی و وجودی کو اس کثرت کا غیر نہ سمجھا جائے جو ہماری نظر میں حق سبحانہ، سے الگ اور اس کی غیر نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقتاً نہ اس سے الگ ہے نہ اس کی غیر، یہی اس نظام حیات کی شریعت ہے اور یہی اس کی طریقت ہے۔ جو ظہور وبطون دونوں پر حاوی ہے۔ مختصر یہ کہ مسلک وحدت الوجود کے پیش نظر کسی دوسرے وجود کو حق کے مقابلہ میں تسلیم کرنا ہی شرک ہے۔

یہ نقطہ بھی ملحوظ رہے کہ عقیدہ وحدت الوجود میں عالم ناسوت وہم نہیں ہے۔ بلکہ اسے غیر حق جاننا وہم ہے۔ وحدہ لاشریک لہ پر صحیح ایمان یہ ہے کہ صرف اللہ کو ہر لحاظ سے موجود حقیقی جانے۔ اشیائے عالم کو اسی کے اسماء وصفات کی تجلی سمجھے۔ یعنی کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرے اور خود اپنی حقیقت کو حقیقت الٰہیہ جانے اور ہر دم اسی کی طرف متوجہ رہے۔ صرف اپنے تجسم و تعین کو غیر حق اور فانی جانے۔ بلکہ وہ حقیقت کا لباس ہے اور اس نسبت سے وہ بھی قابل توجہ واحترام ہے۔ یہی دین وایمان ہے۔ یہی اسلام واحسان ہے۔ یہی عقیدہ وحدت الوجود ہے۔ یہی وصال حق ہے۔

هو الاول و الآخر و الظاہر و الباطن

وہی اوّل ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ یعنی ہر جگہ ہر حال میں وہی وہ ہے اور کچھ نہیں۔

لاموجود الا اللہ

دو عالم چیست نقش و صورت دوست
چہ جائے نقش وصورت بلکہ خود اوست
دو صد آئینہ یک روئے مقابل
اگرچہ صد نماید لیک یک اوست

ترجمہ: دوعالم کیا ہیں محض دوست کے نقش وصورت۔ نقش وصورت کیا بلکہ وہی خود ہے ایک صورت کے سامنے دوسو آئینے رکھ دیئے جائیں تو صورتیں دوسو نظر آئیں گی لیکن حقیقت ایک ہی ہے۔

توحید

قل ھو اللہ احد

محبوب آپ ﷺ کہہ دو اللہ ایک ہے۔

یقین دانم دریں عالم کہ لا معبود الّا ہو
ولا موجود فی الکونین و لا مقصود الّا ہو

(حضرت سخی سلطان باہو)

وحدت الوجود دراصل توحید الٰہی کا ہی ایک پہلو ہے بلکہ وجودی حضرات کے عقائد کے مطابق اصل اسلامی توحید ہی یہ ہے۔ کلمہ طیبہ کے معنی ان کے نزدیک لا معبود الّا اللہ ہی نہیں بلکہ لا مقصود الّا اللہ، لا محبوب الّا اللہ اور لا موجود الّا اللہ ہیں یعنی بالذات سوائے حق کے کوئی موجود نہیں حقیقی وجود صرف اللہ کا ہے باقی سب کچھ اضافی اور اعتباری ہے

حضرت امام غزالیؒ توحید کے متعلق فرماتے ہیں:

توحید کا علم سب علموں کی غائیت ہے۔ توحید کے چار مراتب ہیں جس کی مثال کچے اخروٹ کی مانند ہے ایک مغز اور اس کے دو چھلکے ظاہر ہیں اور روغن اس کے مغز کا مغز ہے۔

چار مراتب حسب ذیل ہیں۔

پہلا درجہ: زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہے اور دل سے اعتقاد نہ رکھے یہ منافقوں کی توحید ہے۔

دوسرا درجہ: دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی اسکا اعتقاد رکھے یا کسی دلیل کی بنا پر مثل متکلمین اعتقاد رکھے۔

تیسرا درجہ: یہ مشاہدہ کرے کہ سب کی اصل ایک ہے اور سب افعال کا ایک ہی فاعل ہے عارفوں کی توحید یہ کہ وہ مشاہدہ کرتے ہیں (انکو بالترتیب علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کہتے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے) ان تینوں میں بڑا فرق ہے اگرچہ یہ مرتبہ بڑا ہے مگر عارف اس درجہ پر پہنچ کر خلقت کو بھی دیکھتا ہے اور خالق کو بھی اور جانتا ہے کہ خلقت خالق سے ہے اس میں کثرت موجود ہے عارف جب تک دوسرا وجود بھی دیکھتا ہے تفرقہ میں ہے جمع الجمع حاصل نہیں ہوتا۔ یہ کمال توحید نہیں ہے۔

چوتھا درجہ: آدمی ایک ہی وجود دیکھے دوسرا کوئی وجود اسے نظر نہ آئے سب کو ایک ہی دیکھے اور ایک ہی جانے اس مقام پر تفرقہ نہیں۔ یہ مقام فنافی التوحید ہے (یہی مرتبہ جمع الجمع کہلاتا ہے۔ فنافی اللہ کے بعد یہی بقاباللہ کی منزل ہے) یہی کمال عرفان ہے۔ کیونکہ اس میں حق ہی حق رہتا ہے اس مقام پر پہنچ کر ایک کے سوا دوسرا نظر نہیں آتا بلکہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔

جس طرح امام غزالیؒ نے توحید کے چار مراتب بیان کئے ہیں۔

اسی طرح حضرت جامیؒ نے بھی چار مرتبے بیان فرمائے ہیں۔

ا۔ توحید ایمانی: بندہ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یگانہ ہے اور صرف وہی معبودیت کا مستحق ہے۔

۲۔ توحید علمی: یہ علم الیقین ہے بندہ اس بات کا یقین کر لے کہ حقیقی موجود مطلق سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں دیگر لوگوں کی صفات اور ان کے افعال کو اس کی ذات و صفات و افعال میں ہیچ جانے، ہر ایک ذات کی روشنی ذات مطلق کے نور سے سمجھے اور ہر صفت کو اسی نور مطلق کا پرتو جانے۔

۳۔ توحید حالی: ذات میں انسان کی محویت اتنی بڑھ جائے کہ بجز ذات وصفات خداوندی کے اسے کچھ نظر نہ آئے۔ حتیٰ کہ خود اپنی ہستی کا بھی احساس وشعور باقی نہ رہے۔ اپنی ہستی کے قطرہ کو بحر حقیقت میں غرق کر دے سوائے حق کے کچھ نہ دیکھے۔

۴۔ توحید الٰہی: حق تعالیٰ ازل میں واحد تھا اب بھی وہ واحد وفرد ہے۔ اور ہمیشہ واحد ہی رہے گا۔ اس توحید سے حضرت جامیؒ کی مراد یہ ہے کہ وہ ذات واجب الوجود باوجود کثرت کے واحد ہے۔ اس نے ظہور کیا تو رنگارنگ لباس میں ظاہر ہوا لیکن بموجب

حدیث: کان اللہ ولم یکن معہ شیء۔

یعنی تھا اللہ اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی

دوسرا کوئی وجود نہ تھا، باوجود ظہور اور کثرت وہ اسی طرح واحد رہا۔

الان کما کان (وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے)

غرض تمام موحد علماء اور فقراء نے توحید کا آخری درجہ یہی قرار دیا ہے۔

اس کا نام اصطلاحاً وحدت الوجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ توحید کا یہ درجہ قال سے زیادہ حال عقل سے زیادہ قلب سے تعلق رکھتا ہے۔ کشف ووجدان اور ذوق صحیح ہی سے اس مقام کی یافت ممکن ہے۔ دلیل وبرہان یہاں بے بس

ہے۔ عقل وادرک کی کاوشوں سے سائنس کی ہر منزل تک رسائی ہو سکتی ہے لیکن حقیقت کا گوہر مقصود عقل و علم سے ماوراء کشف والہام سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرفان واضح یقین اور ذوق ووجدان سے ممکن ہے۔ عشق و محبت کا سوز ہی حقیقتِ مطلقہ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس بات کو علامہ محمد اقبالؒ اس طرح کہتے ہیں:

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

فارسی کا یہ شعر بھی یہی مفہوم ادا کرتا ہے

بو علی اندر غبارِ راہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

یعنی بو علی سینا جو ایک فلسفی تھے محمل (منزل) کی تلاش میں کارواں کے ساتھ چلے لیکن کاروان کے غبار میں گم ہو گئے۔ محمل تک نہیں پہنچے لیکن رومی جو راہ عشق کے مسافر تھے فوراً محمل (منزل) تک پہنچ گئے اور اس کو پالیا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

بات یہ ہے کہ عقل انسانی کی یہ خاصیت ہے کہ وہ جزو بیں ہے یعنی کل کا ادراک نہیں کر سکتی باالفاظ دیگر حقیقت کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہ وصف وجدان میں پایا جاتا ہے اس لئے صوفی عقل کے بجائے وجدان کو معرفت کا ذریعہ بناتا ہے۔

وجدان مصدر ہے جس کے معنی ہیں پانا یا دریافت کرنا۔ لیکن اصطلاح میں باطنی احساس کو کہتے ہیں۔ یعنی ذوق سلیم کی مدد سے کسی مخفی معنی کو دریافت کرنا۔ باالفاظ دیگر وجدان کہتے ہیں۔ واضح منطقی استدلال کی وساطت کے بغیر کسی بات کو سمجھ لینا۔ وجدان حاسہ ء باطنی کا یا تو فعل ہے یا انفعال ہے یعنی انسان اگر الہام کی مدد سے وجدانی طور پر کسی بات کو سمجھ جائے تو یہ انفعال ہے اور اگر اپنی پوری قوت حافظہ کی مدد سے سمجھ جائے تو یہ فعل ہے۔ (پروفیسر سلیم چشتی)

حضرات صوفیاء واجب (اللہ) کے علاوہ کسی ہستی کو موجود ہی نہیں مانتے۔ وحدت الوجود کی بنیاد ہی اس عقیدہ پر ہے **لا موجود الا اللہ**

حقیقت شِرک

مشرک خدائے واحد کو متعدد گمان کرتا ہے تو اس میں خدائے واحد متعدد یا کثیر نہیں ہو جاتا۔

وہ وحدہ لاشریک ہی رہتا ہے اس لئے اس کی بارگاہ وحدت میں شرک حقیقتاً ممتنع ہے۔

البتہ شرک مشرک کے خیال میں واقع ہوتا ہے۔

پس شرک کیا ہے؟

مشرک کا زعم اور اس کا گمان فاسد ہے جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

غیر اللہ کا وجود صرف مشرکین کے ذہن میں ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا غیر کہیں نہیں ہے

موجود دراصل اسے کہتے ہیں جو اپنی ذات سے قائم ہو۔

اس کے مقابل غیر وہی ہو سکتا ہے جو قائم بالذات ہو۔

جس کو بذاتِ خود قیام نہیں وہ بذاتِ خود موجود بھی نہیں ہو سکتا۔

وحدۃ الوجود اشعار کے آئینہ میں

ہمسایہ وہم نشین وہمراہ ہمہ اوست
در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع
باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

از ضمیر کائنات آگاہ اوست
تیغ لاموجود الا اللہ اوست

چساں مومن کند پوشیدہ رافاش
ز لاموجود الا اللہ دریاب

زمین و آسمان وچار سونیست
دریں عالم بجز اللہ ہو نیست

آں آئینہ قدرتِ ذات یکتا
آں جوہر ایجاد صفات واسما

خود کوزہ وخود کوزہ گر وخود گل کوزہ خود رند سُبو کش
خود بر سر آں کوزہ خریدار برامد بشکست وروان شد

ہر کجا ہنگامہ عالم بود
رحمتہ للعالمینے ہم بود

بشکل شیخ دیدم مصطفٰے را
ندیدم مصطفٰے بل خدا را

از خود فانی شدم دیدم بقارا
دیدم غیر ذات خود خدا را

در غیب احد ست و در شہادت احمد
ایں است رموز خواجہ ہر دو سرا

دوئی راچوں بدر کردم یکی دیدم دو عالم را
یکی بینم یکی دانم یکی گویم یکی خوانیم

صورت از بے صورتی آمد بروں
باز شد انا الیہ راجعون

در مقام لی مع اللہ سیر نیست
وحدتِ محض است این جا غیر نیست

روا باشد انا الحق از درختی
چرا نہ بود روا از نیک بختے

من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو
چوں نمی گویم مرا دلدار می گوید بگو

ہر چہ بینی یار ہست اغیار نیست
غیر او جُز وہم و جُز پندار نیست

اے خنک جانے کہ در ہر آئینہ
دید روئے یار خود در آئینہ

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ
پس چشمِ عاشقاں خود را نظارہ کردہ

یار من باکمال رعنائی
خود تماشا و خود تماشائی

اے نور خدا در نظر از روئے تو مارا
بگزار کہ بروئے تو بینم خدا را

سعدیا عبث احترام طوف کعبہ مے بندی
روئے یار خود بنگر کعبہ صفا ایں است

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ حلقوم عبداللہ بود

اولیا اللہ و اللہ اولیا
ہیچ فرق درمیاں نہ بود روا

پیرِ کامل صورت ظل الٰہ
یعنی دید پیر دید کبریا

کل ما فی الکون وہم او خیال
او عکوس فی المرایا او ظلال

حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ

ترجمہ: کائنات میں جو کچھ ہے وہ حواس اور سراب ہے وہ یا تو آئینہ میں منعکس ہونے والے پرتو ہیں یا سائے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ فص یوسفیہ میں اعیان ثابتہ کی حقیقت کو سمجھاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

فنقول اعلم ان لامقول علیه سوی الحق او مسمی العالم هو بالنسبة الی الحق کالظل للشخص فهو ظل الله.

ترجمہ: پس ہم کہتے ہیں جان لے تو اے سالک۔ کہ جس چیز کو ماسوی اللہ کہا جاتا ہے یا اسے عالم کہتے ہیں تو وہ بہ نسبت حق تعالیٰ سایہ کے مانند ہے۔ جیسے کسی شخص کا سایہ ہوتا ہے۔ پس وہ ماسوی اللہ اور علم اللہ تعالیٰ ہی کا سایہ ہے

اس مثال سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ عالم حق تعالیٰ کا سایہ (ظل) ہے جس طرح ایک شخص کا سایہ ہوتا ہے۔ مگر اس میں حکمت یہ ہے کہ سایہ کو "وجود" کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ "وجود" کا درجہ تو "شخص" کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ اس دلیل سے یہ سمجھاتے ہیں کہ در حقیقت عالم کوئی وجود نہیں رکھتا کیونکہ وجود کا درجہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

اور جیسے سایہ شخص کا رہین منت یا تابع ہوتا ہے اسی طرح عالم حق تعالیٰ کے تابع ہے اور یہ عالم حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کا دوسرا نام ہے اور کسی چیز کو اپنا ذاتی وجود رکھنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ تمام عالم خیال در خیال ہے یہ سب خدا کے علم میں ہیں۔ چنانچہ عالم کو وجود اصلی نہیں بلکہ وہمی ہے۔ اور وجود حقیقی کا مرتبہ صرف حق کو حاصل ہے جبکہ عالم بنیادی طور پر موجود ہی نہیں۔

سایہ کی مثال دے کر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ آگے لکھتے ہیں:

فمحل ظهور هذا الظل الالٰهی المسمیٰ بالعالم انما هو اعیان الممکنات علیها امتد هذا الظل فیدرک من هذا لظل بحسب ما امتد علیه من وجود هذه الذات ولکن باسمه النور وقع الادراک وامتد هذا الظل علی اعیان الممکنات فی صورة الغیب المجهول۔

ترجمہ: پس محل ظہور اس سایہ الٰہی کا۔ جس کا نام عالم رکھا گیا ہے۔ سوائے اس کے نہیں ہے۔ کہ وہ محل اعیان ثابتہ ممکنات کا ہے۔ اوپر اسی اعیان کے۔ پھیلا ہوا ہے یہ سایہ۔ پس ادراک کیا جاتا ہے اس سائے سے۔ مقدار اور انداز اس چیز کا۔ کہ پھیلا ہوا ہے۔ اوپر اس کے۔ کہ وہ چیز وجود ذات حق تعالیٰ کی ہے۔ ولیکن بہ سبب اسم نور حق تعالیٰ کے۔ واقع ہوا ادراک سایہ کا۔ اور پھیلا ہوا ہے یہ سایہ۔ اوپر اعیان ممکنات کے۔ بیچ صورت غیب مجہول کے۔

مطلب یہ کہ اگر حق تعالیٰ کا اسم النور نہ ہوتا تو یہ سایہ بھی نہ ہوتا کیونکہ سایہ نور کا رہین منت ہوتا ہے۔ نور ہو گا تو کسی چیز کے سایہ کا ادراک ہو گا۔ پھر سایہ کو اگر دیکھا جائے تو ہر شخص میں موجود ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص روشنی میں کھڑا ہو تو اس کا سایہ موجود ہو گا۔ جبکہ سایہ چھت کے نیچے یا اندھیرے میں نظروں سے غائب ہو گا۔ لیکن یہ اندازہ ہر شخص کو بخوبی ہو گا

کہ بالقوۃ یہی سایہ اس کے اندر موجود ہے۔ہاں یہ ایک بات بھی مد نظر رکھنی چاہئے کہ بہ ذات خود سایہ کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ اس کی وجہ دوری بیان فرماتے ہیں۔وہ آسمان کے کبودی (نیلے) رنگ کو اور دور و دراز کوہستانوں کی مثال دیتے ہیں کہ دور ہونے کی وجہ سے وہ کبود یا سیاہ نظر آتے ہیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الله نور السموات والارض۔

اللہ ہی نور ہے آسمانوں اور زمین کا (نور کے معنی ہے وہ شے جو بذات خود ظاہر ہو اور دوسروں کو بھی ظاہر کر دے)

اب سمجھ لیجئے کہ نور الٰہی کی برکت سے علم الٰہی میں موجود اعیان ثابتہ کا سایہ یہ کائنات ہے یعنی یہ کائنات علم الٰہی میں موجود اعیان ثابتہ کا سایہ ہیں۔ظاہر ہے نور ہو گا تو کسی چیز کا سایہ نظر آئیگا۔مگر خیال رہے کہ یہ سب بذات خود حق تعالیٰ کا وجود ہے۔عدم بے چارے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہے واجب الوجود کا وجود ہے اور کچھ نہیں۔

وحدۃ الوجود کے عقیدے کے مطابق دوئی (کائنات کا مستقل وجود) تو گمراہی ہے چونکہ یہاں دوسرا تو موجود ہی نہیں ہے۔جیسا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں۔بلاشبہ حق تعالیٰ بذات خود دلیل ہے اپنی ذات پر اور اپنی الوہیت پر کیونکہ اس کے سوا دوسرا تو موجود ہی نہیں ہے اور بلاشبہ یہ عالم کچھ نہیں ہے مگر تجلی ہے۔حق تعالیٰ کی ان اعیان ثابتہ کی صورت میں جن کا وجود اس کے بغیر محال ہے۔حق تعالیٰ کی حقیقت وجود ہے اور ممکنات کی حقیقت سراسر عدم ہے یعنی حقیقت صرف اللہ کی ہے۔ممکنات کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ ہوں تو ان کی کوئی حقیقت بھی ہو۔

کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ خدا کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے یعنی لاموجود الا اللہ اور یہی وحدت الوجود ہے اور قرآن پاک کی اس آیۃ کل شیئ ھالک الا وجھہ کا بھی یہی مطلب ہے یعنی ذات خداوندی کے علاوہ ہر شے ہالک (عدم) ہے۔

حضرت زبدۃ العارفین شاہ محمد غوث لاہوری (پشاوری) اپنے رسالہ "درکسب سلوک وبیان طریقت وحقیقت" میں تحریر فرماتے ہیں:

بلکہ بہ ایں معنی گفتہ اند کہ حق تعالیٰ انعکاس صفات p خودرا بر حقائق اشیا کہ در مرتبہ علم بودہ انداختہ اند۔ وبسبب ھماں انعکاس ظہور یافتہ۔ واشیارا حقیقتے دیگر نیست چنانچہ حق تعالیٰ می فرماید: الم تر الی ربک کیف مد الظل ۔ای ظل صفات علی حقائق الاشیا وصورہا العلمیہ۔

ترجمہ: بلکہ اس لئے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے حقائق اشیاء پر جو اس کے مرتبۂ علم میں تھیں۔ اپنی صفات کا انعکاس ڈالا اور اشیاء اسی انعکاس کے طفیل ظہور میں آ گئیں۔ لہٰذا اشیاء کی اور کوئی حقیقت نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: الم ترالی ربک کیف مد الظل آیا نہیں دیکھتا تو کہ کیسے ہم نے سایے کو دراز فرمایا یعنی اس سے مراد صور علمیہ اور حقائق اشیاء یعنی ظل صفات ہے

حضرت زبدۃ العارفین شاہ محمد غوث صاحب لاہوری (پشاوری) ایک اور مقام پر بھی فرماتے ہیں:

وبعضے بزرگان می فرمایندے کہ فی الحقیقت غیر حق موجود نیست۔ واین کثرت کہ درعالم می نماید وظہور صور مختلفہ می شود۔ ہمہ انعکاس صفت الٰہی اند

ترجمہ: ۔اور بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ فی الحقیت غیر حق موجود نہیں ہے۔ اور عالم میں جو کثرت نظر آتی ہے اور مختلف صورتیں نظر آتی ہیں سب صفات الٰہی کے مظاہر یا انعکاس ہیں یعنی یہ کثرت ظل صفات ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ لیکن اس کائنات یا کثرت کو ثبوت علمی کہا جاتا ہے اور اس لئے

کہاجاتاہے۔ کہ یہ حضرت علم میں ہیں اور وجود خارجی نہیں رکھتیں۔ اگرچہ اس مادی جہان میں ایک آدمی وہماً اشیاء کو موجود سمجھتاہے لیکن در حقیقت ایسانہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک بچہ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر یہ یقین کرلے کہ وہ حقیقی طور پر آئینہ میں موجود ہے۔

مطلب یہ کہ کائنات یا کثرت کالمعدوم ہے۔ البتہ وجود وہمی رکھتی ہے۔ اسی کو عکوس یا اظلال (عکس اور سایے) بھی کہاجاتاہے۔ اور یہ سب ممکنات ہیں۔ کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ نہ ہی مستقل ہستی رکھتے ہیں۔ اور وحدۃالوجود کی بنیاد ہی یہی ہے کہ حق کے وجود کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہوسکتا۔ واجب واجب ہے اور ممکن ممکن۔

لیکن ممکن کو ممکن کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ممکن بھی کوئی وجود رکھتاہے۔

زمین و آسمانش اعتباری است

زمان و ہم مکانش اعتباری است

کائنات میں جتنے بھی وجود ہیں سب اعتباری ہیں۔ کوئی چیز حقیقی نہیں۔ جو فی الاصل موجود نہیں وہ اعتباری ہے۔ اعتباری کا مطلب یہ ہے کہ کسی نہ کسی اعتبار پر موقوف ہے۔ اگر ان اعتبارات سے قطع نظر کرلی جائے تو اس شے کا وجود بھی نہیں رہے گا۔ مثلاً ربر کی گیند ہے وہ اس اعتبار پر موقوف ہے کہ گول ہو۔ ربر کی بنی ہوئی ہو اگر اس گیند میں سے ربر یا گولائی نکال لی جائے تو گیند نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ ایسی شے جو کسی نہ کسی اعتبار پر موقوف ہو اس کو ممکن کہتے ہیں۔ اس طرح کائنات کی تمام اشیا ممکنات ہیں۔ اور جو کسی اعتبار پر موقوف نہ ہو وہی واجب الوجود ہے۔

اور ایسا وجود محض اللہ ہے۔ وہی خالق کائنات ہے۔ اعتبار یا اعتباری تصوف میں لفظ حقیقت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو حقیقی نہیں اعتباری ہے۔ اس طرح ہر وہ چیز جو ظنی ، وہمی اور فرضی ہے اعتباری ہے۔

وجود وہمی : واضح ہو کہ کائنات کے لئے صرف ثبوت علمی ہے۔ وجود خارجی نہیں ہے۔ وہ صرف حق کے لئے ثابت ہے۔ عقل اشیائے عالم کو خارج میں موجود سمجھتی ہے۔ مگر یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی طفل ناداں آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر یہ یقین کرلے کہ وہ صورت در حقیقت آئینہ میں موجود ہے۔ ارباب عقل جانتے ہیں کہ آئینہ میں جو کچھ نظر آرہا ہے وہ وجود وہمی سے زیادہ نہیں ہے۔ صورت وہمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ صورت جسے ہم دیکھیں تو ہے۔ مگر غور کریں تو کچھ نہیں۔

بالفاظ دیگر <u>بظاہر موجود</u> <u>بباطن معدوم</u>۔

مثلاً اگر یہ فرض کرلیں کہ ایک درخت ہماری نظروں سے غائب ہے لیکن اس کا سایہ ہمیں نظر آرہا ہے۔ تو ہم کہ سکتے ہیں کہ درخت کا ظہور سایہ کے لباس میں ہو رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حقیقتِ شجر یہ سایہ کے ذریعہ سے ہو۔ اس طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ واجب کا ظہور ممکن کے لباس میں ہوا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ واجب کی حقیقت ممکن کی ذات میں تبدیل ہوگئی یا واجب ممکن بن گیا۔ چونکہ قائلین وحدت الوجود کو یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا کہ واجب ممکن کے لباس میں ظاہر ہوا اس لئے اعتراضات کا ہدف بن جاتے ہیں۔

لیکن جیسا کہ ابھی کہا گیا ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ واجب بذاتِ خود ممکن میں حلول کرگیا یا واجب اور ممکن دونوں متحد الوجود ہوگئے۔ یہ دونوں باتیں کفر صریح ہیں۔ کوئی وجودی اتحاد اور حلول کا قائل نہیں ہے۔

اتحاد اور حلول کے لئے دو وجودوں کا ماننا ضروری ہے۔ جو شرک بالذات ہے اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ واجب جو غیب الغیب ہے۔ ممکنات کے لباس میں ظاہر ہو رہا ہے۔ لباس سے مراد یہ ہے کہ مخلوقات اس کی تجلیات کا مظہر ہیں۔ حلول و اتحاد اور تجسیم صوفیائے کرام کے نزدیک زندقہ اور گمراہی ہے۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ ممکن مظہر واجب ہے۔

حلول و اتحاد ایں جا محال است

کہ در وحدت دوئی عین ظلال است

علامہ محمود شبستریؒ

خود ممکن کی نہ کوئی اصل ہے، نہ حقیقت، نہ ہستی، نہ وجود خارجی۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ ممکن کو بھی موجود مانا جائے تو شرک فی الوجود لازم آئے گا۔

حضرات صوفیا واجب (اللہ) کے علاوہ کسی ہستی کو موجود ہی نہیں مانتے۔ وحدت الوجود کی بنیاد ہی اس عقیدہ پر ہے۔ لا موجود الا اللہ

حضرت قطب العالم سیدنا خواجہ شاہ نیاز احمد بے نیازؒ فرماتے ہیں:

وحدت وجود ایں ست کہ وجود بمعنی ہستی بحت ذات ست نہ زائد ست بروے کہ عارض با او۔ ہموں" یک ذات ست کہ اورا موجود ہم می خوانند۔ قبل از ظہور در پردۂ غیب مخفی بود۔ بہ بے چونی و بے چگونی موسوم و بہ بے نامی و نشانی موصوف۔ چوں خواست کہ معلوم و معروف گردد، لباس رنگا رنگ پوشیدہ از نہاں خانہء غیب در انجمن شہادت در آمد۔ پس وجود مطلق و ہستی بحت کہ ھُو عبارت از ہمون ست از اطلاق خود تنزل نمودہ بہ لاہوت و جبروت و ملکوت و ناسوت در آمد۔ و غیرے دیگرے موجود نیست۔ یک ذات موجود ست کہ بہ ہزاراں شیون نمودہ مے آید

ترجمہ: "وحدۃ الوجود یہی ہے کہ وجود کو ذات بحت کی ہستی کے معنوں میں لیا جائے۔ مگر یہ (وجود) نہ تو زائد بر ذات ہے اور نہ ہی اس کو عارض ہے۔ بس وہی یکتا ذات ہے جس کو "موجود" کہا جاتا ہے۔ جو قبل از ظہور پردۂ غیب میں مخفی تھا اور بے چونی اور بے چگونی سے موسوم اور بے نامی اور بے نشانی سے موصوف تھا۔ جونہی اس نے (خود) پسند فرمایا کہ اس کی ذات معلوم و معروف ہو تو رنگا رنگ لباس پہن کر اپنے نہاں خانہء غیب سے ہو کر انجمن شہادت میں ظہور فرمایا پس اس ذات مطلق اور ہستیء ذات بحت (جو ھُو سے عبارت ہے) نے مرتبہء اطلاق سے لاہوت۔ جبروت۔ ملکوت اور ناسوت میں نزول اجلال فرمایا۔ چنانچہ اسی ذات واحد الوجود کے بغیر اور کوئی بھی موجود نہیں۔ بس صرف اسی کی ذات موجود ہے جس نے ہزار ہزار شیون میں ظہور فرمایا ہے"

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کے افکار و خیالات مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق تحریر کیے جاتے ہیں۔ جن کا ماخذ مولانا موصوف کے ملفوظات بنام الملفوظ میں مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی نے مولانا سے سوال کیا۔ کہ وحدۃ کے معنیٰ کیا ہیں۔ جواباً ارشاد فرمایا۔

وجود ہستی بالذات واجب اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کے سوا جتنی موجودات ہیں سب اس کے ظل، پرتو ہیں تو حقیقتاً وجود ایک ہی ٹھہرا۔

پھر صدیقی صاحب نے سوال کیا کہ اس کا سمجھنا تو کچھ دشوار نہیں۔ پھر یہ مسئلہ اس قدر کیوں مشکل مشہور ہے؟ جواباً ارشاد فرمایا۔

اس میں غور و تامل موجب حیرت ہے یا باعث ضلالت۔ اگر اس کی تھوڑی سی بھی تفصیل کروں تو کچھ سمجھ میں نہ آئے گا۔ بلکہ اوہام کثیر پیدا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کچھ مثالیں بیان فرمائیں ان میں صرف ایک یاد رہی۔ مثلاً روشنی بالذات آفتاب و چراغ میں ہے۔ زمین و مکان اپنی ذات میں

بے نور ہیں۔ مگر بالعرض آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور چراغ سے سارا گھر روشن ہوتا ہے۔ ان کی روشنی انہیں کی روشنی ہے۔ ان کی روشنی ان سے اٹھالی جائے تو ابھی تاریک ہو جائیں گے۔

صدیقی صاحب نے عرض کیا یہ کیونکر ہوتا ہے کہ ہر جگہ صاحب مرتبہ کو اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے؟

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جو شخص آئینہ خانہ میں جائے گا وہ ہر طرف اپنے آپ ہی کو دیکھے گا۔ اس لئے کہ وہی اصل ہے اور جتنی صورتیں ہیں سب اس کا ظل ہیں۔ مگر یہ صورتیں اس کی صفات ذات کے ساتھ متصف نہ ہوں گی۔ اس لئے کہ یہ صورتیں صرف اسکی سطح ظاہری کی ظل ہیں۔ ذات کی نہیں اور سمع وبصر ذات کی صفتیں ہیں۔ سطح ظاہری کی نہیں لہٰذا جو اثر ذات کا ہے وہ ان ظلال میں پیدا نہ ہوگا۔ بخلاف حضرت انسان کے کہ ظل ذات باری ہے لہٰذا اظلال صفات سے بھی حسبِ استعداد بہرہ ور ہیں۔

مولف الملفوظ مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب نے عرض کیا حضور یہ اب بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ ہر جگہ خدا کیونکر دیکھتے ہیں اگر ان کو ظلال وعکوس کہا جائے تو یہ اتحاد ہے وحدت نہیں۔ اور اتحاد کھلا الحاد اور زندقہ ہے اور اگر یہ ظلال وعکوس کو نہیں دیکھتے بلکہ انہیں عدم محض میں ملاتے ہیں۔ ایک اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے۔ تو یہ خود بھی ایک ظل ہیں۔ یہ بھی معدوم ہوئے۔ نہ ناظر رہا نہ نظر پھر یہ کہ اللہ کو دیکھنے کے کیا معنی وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی نظر اسے احاطہ کرے۔ وہ سب کو محیط ہے نہ کہ محاط۔ یہ میرا ایمان ہے کہ قیامت انشاللہ تعالیٰ دیدار الٰہی سے ہم مسلمان فیض یاب ہوں گے۔ مگر یہ نہیں سمجھ سکتا کہ رویت کیونکر ممکن ہے۔ جبکہ احاطہ ناممکن۔ اگر یہ کہا جائے کہ منظور کو نظر کو محیط ہو جانا کچھ ضرور نہیں۔ مثلاً فلک ہے کہ اس کا ایک حصہ انسان کی نظر میں سما سکتا ہے جہاں تک اسکی نظر پہنچتی ہے تو یہ تقریر وہاں جاری نہیں کہ وہ تجزی سے پاک ہے۔ میں اپنا مافی الضمیر اچھے

طور پر ظاہر نہ کر سکا۔ مگر یہ جانتا ہوں کہ حضور میرے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے میرا مطلب خیال فرمالیں گے۔ جواباً ارشاد فرمایا۔

ظلال وعکوس مرات ملاحظہ ہیں۔ حالانکہ ذوالوجہ سے متحد نہیں۔ بلاشبہ آئینہ میں جو اپنی صورت دیکھتے ہو کیا اس میں کوئی صورت ہے نہیں بلکہ شعاع بصری آئینہ پر پڑ کر واپس آتی ہے۔ اور اس رجوع میں اپنے آپ کو دیکھتی ہے۔ لہٰذا داہنی جانب بائیں اور بائیں جانب داہنی معلوم ہوتی ہے۔ تو آئینہ تمھارا عین نہیں مگر دکھایا اس نے تمہیں کو۔ ظلال اپنی ذات میں معدوم ہیں کہ کسی کی ذات مقتضی وجود نہیں۔ کل شی ھالک الاوجھہ مگر وجود عطائی سے ضرور موجود ہیں۔

اسلام کا پہلا عقیدہ ہے کہ حقائق الاشیا ثابتہ نظر سے ساقط ہونا واقع ہے۔ عدم نہیں کہ نہ ناظر رہے نہ نظر۔ فی الواقع اس مشاہدہ میں خود اپنی ذات بھی ان کی نگاہ میں نہیں ہوتی۔ کہ قیامت وجنت میں مسلمانوں کو دیدار الٰہی بے کیف وبے جہت وبے محاذات ہو گا۔

وجود یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرہ۔ کچھ منہ تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوئے۔ کفار کے حق میں فرمایا۔ کلا انھم یومئذ معجوبون۔ بے شک اس دن اپنے رب سے حجاب میں رہیں گے۔ کافروں پر عذاب بیان فرمایا گیا تو ضرور مسلمان اس سے محفوظ ہیں۔ بصر احاطہ نہیں چاہتی۔ آیۃ کریمہ الابصار و ھو یدرک الابصار۔ بڑی مفاد ہے کہ وہ ابصار وجملہ اشیا کا محیط ہے۔ اسے بصر اور کوئی شے محیط نہیں۔ فلک وغیرہ کی مثالیں اس کے بیان کو ہیں۔ کہ بصر کو احاطہ معاذاللہ اس طرح کا ہے وہاں بمعنیٰ عدم ادراک حقیقت کنہ ہی رہا ہے کہ رویت کیونکر یہ کیف سے سوال ہے وہ اور اسکی رویت کیف سے پاک ہے۔ پھر کیونکر کو کیا دخل۔۔

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔ آفتاب کا نور اپنی ذات میں ایک ہے نہ اس میں صورتوں کا اختلاف ہے۔ نہ قوت و ضعف کا فرق ہے۔ نہ جدا جدا رنگ ہیں نہ متعدد نام ہیں وہی نور واحد پہلی شب کے چاند پر پڑا اور یہاں یہ صورت پیدا کی کہ اس کا نام ہلال ہوا اور پھر ہر روز نئی صورت اور زیادہ ترقی و قوت ہوتی رہی۔ شب چہاردہم اسی نور سے بدر کی صورت پیدا ہوئی پھر اس میں ضعف آتا گیا یہاں تک کہ فنا ہو گیا۔ وہی نور آئینہ مصفا پر پڑے تو کیسی جھلک دیتا ہے کہ نگاہ خیرہ و حیران اور دیواروں پر عکس نمایاں ہوا اور صفائی آئینہ میں کمی ہے تو نور میں کسی اور زمین پر پڑنے میں وہ بات کوسوں نہیں۔ کوئلوں وغیرہ سیاہ بے تابش چیزوں میں ایک ظہور کے سوا اور کچھ اثر نہیں ہوتا۔ وہی ایک نور ہے کہ جب قریب اُفق جانب مشرق سے طولانی شکل ہے اس کا صبح اور نام رکھتے ہیں پھر جب پھیلتا ہے۔ وہی صبح صادق ہوتی ہے پھر جب سرخی لاتا ہے وہی شفق ہے جب سورج نکل آتا ہے وہی دھوپ ہے۔ یونہی بعد غروب اس کے ظہور کے تفاوت ہیں تو دیکھو ایک آفتاب کو تجلی اور اتنے اختلاف اور ہر حالت کے اعتبار سے اس کے جدا نام ہیں اور جدا اوصاف باایں ہمہ وہ اپنی ذات میں کیا ہے اس میں کوئی تغیر نہیں۔ نہ وہ صبح اول کے وقت طویل ہو گیا تھا نہ صبح ثانی کے وقت چوڑا نہ شفق کے وقت اس نے سرخ لباس پہنا نہ دن نکلتے زرد یا سفید نہ ہلال پر چمکتے وقت کمان ہو گیا تھا نہ بدر پر پڑے بشکل دائرہ نہ آئینہ پر چمکتے وقت قوت پائی تھی نہ زمین پر آتے ہوئے ضعف۔ مگر یہ سب اختلاف تغیر مظاہر میں ہیں جن کے باعث اس شے واحد کی اتنی تعبیریں اور اسی قدر حالتیں ہو گئیں۔ پس یہی مثال نور مطلق ذات باری تعالیٰ عزوجل کی سمجھنا چاہیے کہ واحد حقیقی ہے۔ تغیر و اختلاف کو اصلاً اس کے سراپردہ عزت کے گرد بار نہیں پر مظاہر کے تعدد سے یہ مختلف صورتیں بے شمار نام بے حساب آثار پیدا ہیں۔ جنہیں ہم عالم نام رکھتے ہیں۔ یہ ظاہری

تفہیم کے لئے ایک بہت ناقص وناکارہ وناتمام مثال ہے۔ واللہ المثل الاعلیٰ اس سے زیادہ بیان سے باہر ہے اور مرتبہ عقل سے وراہے۔

در کون و مکاں نیست جز یک نور ظاہر شدہ آں نور بانواع ظہور

حق نور و تنوع ظہورش عالم توحید ہمیں است دگر وہم و غرور

مثال

موجودات میں اس کا ظہور ایسا ہے جیسا دریا۔ کہ وہ ایک چیز ہے۔ مگر بے تعداد موجوں میں دریا کا ظہور پایا جاتا ہے۔ باوجود بے تعداد اور کثرت امواج سے دریا کے توحد میں فرق نہیں آیا۔ اگر دریا میں موجیں بلاتعداد پیدا ہوں یا حباب یعنی بلبلے بکثرت آشکار ہوں یا برف کے ٹکڑے ہزار ہا جم جائیں تو ہر چند موج یا حباب برف نام دوسرا ہے۔ مگر فی الواقع وہی دریا اور دریا کا پانی ہے۔ موجیں، بلبلے اور برف کے ٹکڑے دریا ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اس میں مل جاتے اور فنا ہو جاتے ہیں۔ دریا کو امواج کے ساتھ معیت ذاتیہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا مخلوقات کا پیدا کرنا اپنی حقیقت مطلقہ کا مختلف اور متعدد صورتوں میں ظاہر کرنا ہے۔

مثال

سیاہی سے نقوش اور حروف قسم قسم کے لکھتے جاتے ہیں اور نقوش اور حروف کے نام جدا جدا ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ حقیقت ان تمام نقوش اور حروف کی سیاہی ہے اور سیاہی ان کی غیر نہیں۔

هو الاول ، و الاخر، والظاہر ، و الباطن۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن۔
غور طلب بات یہ ہے کہ جب اول بھی وہی ہے آخر بھی وہی ہے، ہر شے سے ظاہر بھی وہی ہو رہا ہے اور ہر شے کا باطن بھی وہی ہے۔ تو پھر اس کے سوا کائنات میں ہے کون۔ یہی وحدت والوجود ہے کہ اس کائنات میں حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی شے موجود نہیں۔ مگر قرآن مجید نے اس بات کو صاف لفظوں میں بیان نہیں کیا۔ کیونکہ کلام پاک صرف علما کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ جہلا کے لئے بھی ہے۔ اور جہلا وحدۃالوجود اور اتحادالوجود میں فرق نہیں کر سکتے۔

عرفا اور صوفیا نے وحدۃالوجود کے عقیدے کو مصلحتاً استعاروں کے پردوں میں چھپایا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تعبیر بذریہ الفاظ بہت دشوار ہے۔ ذراسی بے احتیاطی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک نے اس حقیقت کو واشگاف بیان نہیں کیا۔ بلکہ اشارت پر اکتفا کیا ہے۔

مثلاً: اللہ نور السمٰوٰت والارض۔

ترجمہ: اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

اسی واسطے قرآن پاک میں فرمایا:

اللہ نور السمٰوٰت والارض

یعنی اللہ آسمانوں اور تمام زمین کا نور ہے۔ نور وہ ہے کہ بذاتِ خود ظاہر ہو۔ ظہور اس کا مستقل ہو۔ دوسری چیز کا محتاج نہ ہو۔ دیگر اشیا اس کے سبب سے ظاہر ہوں۔ اگر نور نہ ہو تو عدم کے ظلمات میں معدوم ہوں۔ لہٰذا موجود بوجود حقیقی بجز واجب الوجود کے اور کوئی چیز نہیں۔

وہی آسمانوں میں معبود ہے وہی زمین میں معبود ہے۔ معبود بر حق ہی موجود حقیقی ہے۔

ہر چہ بینی یار ہست اغیار نیست
غیر او جز وہم و جز پندار نیست

لاموجود الا اللہ

وحدت الوجود بزبان حضرت بابا بُلھے شاہؒ

جے میں تینوں باہر ڈھونڈاں

تے میرے اندر کون سماناں

جے میں تینوں اندر ڈھونڈاں

تے فیر مقیّد جاناں

سب کُجھ توں ہیں، تے سب وچ توں ہیں

تے تینوں سب توں پاک پچھاناں

میں وی توں ہیں توں وی توں ہیں

ایتھے بُلھا کون نماناں !

اللہ نور السمٰوٰت والارض

قال اللہ تعالیٰ اللہ نورالسمٰوٰت والارض۔ مثل نورہ کمشکوۃ فیھامصباح۔ المصباح فی زجاجۃ۔الزجاجۃ کانھاکوکب دری یوقد من شجرۃ مبرکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ یکاد زیتھایضییء ولو لم تمسسہ نار۔ نورعلیٰ نُور۔ یھدی اللہ لنورہ من یشآء۔ (النور۔)۳۵

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے اس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق میں ایک چراغ ہو۔وہ چراغ ایک شیشے میں دھرا ہوا ہے۔وہ شیشہ ہے جیسے ایک چمکتا ہوا تارا۔اس میں ایک برکت والے درخت کا تیل جلتا ہے جو زیتون ہے،جو نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے۔اگرچہ اس کو آگ بھی نہ لگی ہو،روشنی پر روشنی ہے۔جس کو اللہ چاہے اپنی روشنی کی راہ دکھا دیتا ہے۔

اگر غور و فکر کرنے والوں کی کج فہمی مانع نہ ہو تو یہ آیت طلسم الٰہی کو بیان کرنے میں واضح ہے۔وہی ذات مجردہ ومقدسہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے،لیکن طلسم الٰہی کے واسطے سے اور اس قرینے سے جو مثل مزکور میں بیان ہوا۔جس طرح ہمارا نفس ناطقہ اس قوت کے واسطے سے دیکھتا ہے جو آنکھ کے پردہء جلیدیہ اور مجمع النور میں مضمر ہے،اور اس قوت کے واسطے سے سنتا ہے جو کان کے سوراخ کے ایک پٹھے میں پھیلی ہوئی ہے اور اس قوت کے واسطے سے پکڑتا ہے جو ہاتھ میں پھیلی ہوئی ہے

اور اس قوت کے واسطے سے چلتا ہے جو پاؤں میں رکھی ہوئی ہے۔

اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور کی صفت چراغ کی مانند ہے جو قندیل میں ہے۔ اور وہ قندیل طاق میں ہے۔ وہ چراغ روغنِ زیتون سے جلتا ہے جو (درخت زیتون) نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ بلکہ درختوں کے وسط میں واقع ہے اور آفتاب کی روشنی صبح وشام اسے معتدل بنا دیتی ہے۔ قریب ہے کہ اس درخت کا روغن بغیر آگ کا شعلہ پہنچے ہوئے آگ پکڑ لے۔ یہ چراغ نور کے اوپر نور ہے۔ چراغ سے مراد وہ بتی ہے جو قندیل میں تیل سے جلتی ہے، جس طرح چراغ کی آگ بتی میں تیل کے ذریعہ قائم ہے اور تیل اس کی (آگ کی) سواری ہے۔ اسی طرح صورت الٰہیہ (تجلی اعظم) عالم مثال کے ساتھ قائم ہے اور عالم مثال جہات سے پاک ہے۔ یعنی نہ مجرد محض ہے اور نہ جسمانیات سے ہے بلکہ دونوں کے درمیان حدِ اوسط (برزخ) ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجرد محض کے ساتھ کامل مناسبت رکھتا ہے اور اسی لئے اس کا مطیہ اور آئینہ بنا ہے۔ اس اعتبار سے اسے مجرد بھی کہہ سکتے ہیں اور نور محض بھی۔ پس جب تجلی الٰہی اس پر چھا گئی تو نور علیٰ نور کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ شیشہ سے مراد حظیرۃ القدس ہے۔ جس سے تجلی الٰہی گزر کر آ رہی ہے اور تجلی اس طرح شیشے میں سرایت کر گئی کہ شیشہ (حظیرۃ القدس) سرسری نگاہ میں عین تجلی معلوم ہوتا ہے۔ اب جب کہ شیشہ کو طاق (کائنات) میں رکھ دیا گیا تو ساری کائنات اس شیشہ سے چھن چھن کر آنے والی تجلی کی بدولت منور ہو گئی۔ اس تجلی نے ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل سب کو زیر فرمان لا کر شخص اکبر سے ظلمت کو دور کر دیا اور شخص اکبر کو خیر محض (ذات باری تعالیٰ) کے ساتھ کامل مشابہت ہو گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

(سطعات)

سرِ روح محمدی ﷺ

آپ ﷺ کے مادہ روحانیہ کے جود و کرم کا اشارہ اس آیت کریمہ میں واضح کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ نور السمٰوٰت والارض الخ

سے آگے لفظ "مصباح" آتا ہے۔ مصباح سے نور محمدی ﷺ مراد ہے۔ اور مصباح کو مشکوٰۃ الوجود قرار دیا گیا ہے۔ پس کائنات کو مشکوٰۃ کے ساتھ تشبیہہ دی گئی ہے۔

اور آقا مولا سرکار دو عالم ﷺ کو زجاجہ (شیشے) کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ آپ کے قلب کے نور کو مصباح سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ پس آپ کا نور باطن آپ کے ظاہر پر اس طرح چمکا۔ جس طرح مصباح زجاجہ میں تاباں ہے۔ لہٰذا نور مصباح مانندِ نار ہو گیا اور زجاجہ کی صفائی کی بدولت وہی نار نور بن گئی اور ہر مخلوق نے اپنی استعداد، اتباع، صحبت اور عمل بالشریعہ کے مطابق حظ اٹھایا۔

(شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ)

شجرۃ الکون

ایک اور تشریح

زجاجہ کا اشارہ قلب سالک کی طرف ہے اور مصباح سے مراد روح ہے۔ شجرہ جس سے یہ زجاجہ یعنی فانوس جس کو چمکتے تارے سے تشبیہہ دی گئی روشن کیا گیا ہے۔ صوفیوں کے نزدیک نفس ہے۔ اور مشکوٰۃ (چراغ دان۔ طاق) اُن کے قول کے مطابق بدن ہے۔ اسی طرح زیتونہ سے وہ نفس کی استعداد مراد لیتے ہیں جو اپنی قوتِ فکریہ کی وجہ سے نور قدس میں محو ہو جائے

(حضرت حسین بن منصورؒ حلاج)

(طواسین)

حواس خمسہ

ایک فکر انگیز تحریر:

جس دنیا میں ہم رہتے ہیں اس کے بارے میں تمام معلومات ہم تک ہمارے حواس خمسہ کے ذریعے پہنچتی ہیں۔ ہم جس دنیا کو جانتے ہیں وہ مشتمل ہے اس پر جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے، ہاتھوں سے چھوتے، ناک سے سونگھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔ ہم یہ کبھی نہیں سوچتے کہ وہ "خارجی" دنیا اس سے مختلف بھی ہو سکتی ہے جسے ہمارے حواس ہم تک پہنچاتے ہیں کیونکہ ہم تو اپنے روز پیدائش سے لے کر اب تک صرف ان ہی حواس پر انحصار کرتے چلے آ رہے ہیں۔

انسان ایک عکس ہے ایک تصویر ہے، ہر وہ شے جو اس کے تجربے میں آتی ہے، عارضی اور پر فریب ہے اور یہ کائنات ایک ظل ہے ایک سایہ ہے

ہم دیکھتے، سنتے اور چکھتے کیسے ہیں؟

دیکھنے کا عمل ایک بہت تدریجی طریقے سے حاصل ہوتا ہے روشنی کے فوٹون جو کسی شے سے نکل کر آنکھ تک پہنچتے ہیں آنکھ کے سامنے والے حصے میں موجود عدسے میں سے پار ہوتے ہیں جہاں یہ ٹوٹ

کر پیچھے کی طرف آنکھ کے عقب میں واقع پردہ چشم پر گرتے ہیں یہاں گرنے والی یہ روشنی برقی اشاروں میں تبدیل ہو جاتی ہے جنہیں عصبانیے ایک ایسے چھوٹے سے نقطے کی جانب منتقل کر دیتے ہیں جس کو مرکز نگاہ کہتے ہیں اور جو دماغ کے پچھلے حصے میں ہوتا ہے دماغ میں اس مرکز نگاہ میں ان برقی اشاروں کا ادرک ایک عمل کی مختلف شکلوں کے بعد ایک تصویر کی مانند کیا جاتا ہے۔ دراصل دیکھنے کا فعل دماغ کے پچھلے حصے میں موجود اس چھوٹے سے نقطے میں واقع ہوتا ہے جہاں گھپ اندھیرا ہوتا ہے اور جو روشنی سے بالکل علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم " دیکھتے " ہیں تو دراصل ہم ان محرکات کے اثرات کو دیکھ رہے ہوتے ہیں جو ہماری آنکھوں تک پہنچ رہے ہوتے ہیں اور جو برقی اشاروں میں تبدیل ہو جانے کے بعد ہمارے دماغ میں جذب ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ " ہم دیکھتے ہیں " تو ہم دراصل اپنے دماغ میں برقی اشاروں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

ہم اس دلچسپ صورت حال کو ایک مثال کے ذریعہ بیان کر سکتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ہمارے سامنے ایک جلتی ہوئی موم بتی ہے ہم اس موم بتی کے سامنے، اس پار بیٹھ سکتے ہیں جہاں جلتی ہوئی موم بتی ہمارے سامنے رکھی ہوتی ہے اور ہم اسے کچھ فاصلے سے دیکھتے ہیں۔ تاہم اس دوران ہمارے دماغ کا اس موم بتی کی اصل روشنی کے ساتھ براہ راست کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ ہم جس وقت موم بتی کی روشنی کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دماغ کا اندرونی حصہ بالکل تاریک ہوتا ہے۔ ہم اپنے تاریک دماغ کے اندر ایک رنگین اور روشن دنیا دیکھ سکتے ہیں۔

روشنی کی وہ کرنیں جمع ہو کر پردۂ چشم پر الٹی پلٹی گرتی ہیں، جو کسی شے سے خارج ہو رہی ہوں۔ یہاں تصویر برقی اشاروں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور دماغ کے پچھلے حصے میں واقع پردۂ چشم کی طرف

منتقل ہو جاتی ہے۔ دماغ چونکہ روشنی سے جدا کر دیا جاتا ہے اس لئے روشنی مرکز نگاہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک ایسے چھوٹے سے نقطے میں روشنی کی ایک وسیع اور گہری دنیا دیکھتے ہیں جسے روشنی سے جدا کر دیا گیا ہو۔ وہ تمام تصاویر جن کو ہم اپنی زندگیوں میں دیکھتے ہیں وہ ہمارے دماغ کے پچھلے حصے میں نظر کے مرکز میں متشکل ہوتی ہے۔ یہ مرکز دماغ میں چند مربع سینٹی میٹر جگہ گھیرتا ہے۔ جو کتاب اس وقت آپ پڑھ رہے ہیں وہ اور وہ وسیع منظر جو آپ افق پر نگاہ ڈالتے وقت دیکھتے ہیں دونوں اس چھوٹی سی جگہ میں سما جاتے ہیں۔ اس لئے ہم چیزوں کو خارجی دنیا میں اس جسامت کے ساتھ نہیں دیکھتے جو ان کی اصل جسامت ہوتی ہے۔ بلکہ ہم انہیں اس جسامت میں دیکھتے ہیں جس کا ادراک ہمارا دماغ کرتا ہے ۔

جس طرح ایک عام انسان گلاب کی رنگت کو گلابی ہی دیکھتا ہے۔ مگر رنگ کور اسی گلاب کے پھول کو خاکستری یعنی گرے رنگ کا دیکھتا ہے۔

حس سماعت

حس سماعت بھی اسی طرح کام کرتی ہے۔ کان کا بیرونی حصہ لالہ غوش کے ذریعے آوازوں کو پکڑ کر انہیں کان کے وسطی حصے کی جانب بھیج دیتا ہے۔ کان کا درمیانی حصہ آواز کی لہروں کو تیز تر کر کے اندرونی حصے میں ارسال کر دیتا ہے، کان کا اندرونی حصہ ان صوتی لہروں کو برقی اشاروں میں تبدیل کر کے دماغ میں بھیج دیتا ہے۔ جیسا کہ آنکھ کے معاملے میں ہوتا ہے سماعت کا فعل دماغ میں مرکز سماعت میں حتمی شکل اختیار کرتا ہے۔ دماغ جس طرح روشنی سے جدا کر دیا جاتا ہے اسی طرح یہ

آواز سے الگ کر دیا جاتا ہے اس لئے باہر جس قدر شور وغل ہو دماغ کے اندر مکمل خاموشی ہوتی ہے۔

تاہم دماغ نہایت نازک ولطیف آوازوں کا ادراک بھی کر لیتا ہے۔ یہ اس قدر درستگی اور صحت کے ساتھ ہوتا ہے کہ ایک صحت مند انسان کا کان کسی بھی قسم کے ماحولیاتی شور اور مداخلت کے بغیر ہر بات صاف صاف سن سکتا ہے۔ آپ اپنے دماغ میں، جسے آواز سے جدا کر دیا گیا ہو، آرکیسٹرا پر نغمے سن سکتے ہیں کسی پر ہجوم جگہ کی شور وغل والی آوازیں سن سکتے ہیں اور پتے کی کھڑکھڑاہت سے لے کر جیٹ ہوائی جہاز کی کان کے پردے پھاڑ دینے والی آوازوں تک کا صحیح صحیح ادراک کر سکتے ہیں۔ تاہم اگر اس وقت آپ کے دماغ کی صوتی سطح کی کسی حساس آلے سے پیمائش کی جائے تو پتہ چلے گا کہ وہاں مکمل خاموشی ہے۔

حس شامہ

ہماری حس شامہ یعنی مہک اور بُو باس سونگھنے کی حس بھی اسی طرح متشکل ہوتی ہے۔ طیران پزیر سالمے جو ونیلا یا گلاب کے پھولوں سے خارج ہوتے ہیں ناک کے ان نازک بالوں میں پہنچتے ہیں جو اس کے بر حلمہ حصے میں ہوتے ہیں تو ایک باہمی تعامل شامل ہو جاتے ہیں اس باہمی تعامل کو برقی اشاروں کی شکل میں دماغ میں ارسال کر دیا جاتا ہے جہاں اس کا ادراک بطور خوشبو یا مہک کے کیا جاتا ہے۔ ہم جو کچھ بھی سونگھتے ہیں، یہ خوشبو ہو کہ بدبو یہ ان طیران پذیر سالموں کا باہمی تعامل ہوتا ہے جنہیں برقی اشاروں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا ہو اور جس کا ادراک اب دماغ نے کیا ہو۔ عطر کی خوشبو، پھول یا اپنی پسند یا ناپسند، کا ادراک آپ کا دماغ کرتا ہے۔ یہ سالمے خود بخود کبھی دماغ تک

نہیں پہنچ سکتے۔ جس طرح وہ آواز یا تصویر جو آپ کے ذہن میں پہنچتی ہے وہ برقی اشارے ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ تمام خوشبوئیں جو آپ پیدائش سے اب تک یہ سمجھتے ہیں کہ بیرونی اشیاء سے تعلق رکھتی ہیں محض وہ برقی اشارے ہوتے ہیں جنہیں آپ اپنے حسیاتی اعضاء کے ذریعے محسوس کرتے ہیں۔

حس ذائقہ

ہماری حس ذائقہ اسی طرح چار قسم کی کیمیائی آخذ انسانی زبان کے سامنے والے حصے میں ہوتے ہیں۔ یہ نمکین، میٹھے، کھٹے اور تلخ ذائقوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ ذائقہ چکھنے والے یہ آخذ بہت سی کیمیائی عمل پذیری کے بعد ہمارے ادراک کو برقی اشاروں میں تبدیل کر دیتے ہیں اور پھر انہیں دماغ کو ارسال کر دیتے ہیں۔ جب آپ پسندیدہ چاکلیٹ یا پھل کھاتے ہیں تو جو مزہ آپ کو آتا ہے وہ برقی اشاروں کی دماغ کے ذریعے تشریح ہوتی ہے۔ آپ باہر موجود کسی شے تک نہ کبھی پہنچ سکتے ہیں، نہ اسے دیکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں نہ ہی چاکلیٹ کو چکھ سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر ذائقہ معلوم کرنے والی رگیں جو دماغ تک جا رہی ہیں کٹ جائیں تو اسی لمحے جو کچھ آپ کھائیں گے کسی کا ذائقہ بھی آپ کے دماغ تک نہ پہنچ سکے گا اور آپ چکھنے کی حس سے مکمل طور پر محروم ہو جائیں گے۔

اس مقام پر ایک اور حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے۔ ہم یہ بات کبھی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ ایک خوراک کھاتے وقت جو ذائقہ ہم محسوس کرتے ہیں ایک دوسرا شخص وہی خوراک کھاتے وقت

ویساہی ذائقہ محسوس کرے گا۔ یا جب ہم کوئی آواز سنتے ہیں تو جو ادراک ہمیں ہوتا ہے وہی آواز سن کر ویساہی ادراک ایک دوسرے شخص کو بھی ہو گا۔

حسِ لامسہ

ہمارے چھونے کی حس دوسروں کی اس حس سے مختلف نہیں ہوتی۔ جب ہم کسی شے کو چھوتے ہیں تو وہ تمام معلومات جو خارجی دنیا اور اشیا کو پہچاننے میں ہماری مدد کر سکتی ہیں ہماری جلد پر موجود حسی رگوں کے ذریعے دماغ کو ارسال کر دی جاتی ہیں۔ چھونے کا احساس ہمارے دماغ میں متشکل ہو جاتا ہے۔

خارجی دنیا ہمارے دماغ کے اندر

ہر وہ شے جسے ہم دیکھتے، چھوتے، سنتے اور مادے کے طور پر جس کا ادراک کرتے ہیں، " دنیا" یا" کائنات" سوائے ان برقی اشاروں کے کچھ بھی نہیں ہیں جو ہمارے دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔
جب کوئی انسان پھل کھا رہا ہو تو دراصل اس کا سامنا اصل پھل سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے ادراک سے ہوتا ہے جو دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ انسان جسے " پھل" تصور کرتا ہے وہ دراصل پھل کی شکل، ذائقے، خوشبو اور اس کی بناوٹ کی برقی نقش پر مشتمل ہوتا ہے جو اس کے دماغ میں بنتا ہے۔
اگر بصارت کی رگ جو دماغ تک جا رہی ہے اچانک کٹ جاتی ہے تو پھل کی تصویر فوراً غائب ہو جائے گی۔ یا ناک کے اندر سے دماغ تک جانے والی حسی رگ منقطع ہو جاتی ہے تو سونگھنے کی حس بری طرح

متاثر ہو گی۔ اس بات کو مزید سادہ و آسان طریقے سے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ پھل ماسوا دماغ کی طرف سے برقی اشاروں کی، کی جانے والی تشریح کے کچھ بھی نہیں ۔

یہاں پھر ہمارا دماغ ہی ان اشاروں کو رنگوں میں تبدیل کرتا ہے۔ ورنہ " خارجی دنیا" میں کوئی رنگ نہیں ہوتے۔ نہ سیب سرخ ہوتا ہے، نہ آسمان نیلگوں نہ اشجار سبز۔ وہ ایسے اس لئے نظر آتے ہیں کہ ہم ان کا ادراک اس طرح کرتے ہیں۔" خارجی دنیا" کا انحصار مکمل طور پر ادراک کرنے والے پر ہوتا ہے ۔

پردۂ چشم میں معمولی سا نقص بھی رنگوندھیا پیدا کر دیتا ہے۔ کچھ لوگوں کو نیلا رنگ سبز نظر آتا ہے کچھ کو سرخ، نیلا اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں تمام رنگ خاکستری رنگ ہی کی مختلف شکلیں دکھائی دیتے ہیں۔ اس صورتحال میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا خواہ باہر کی شے رنگین ہے یا نہیں۔ ہمیں مختلف چیزیں رنگین کیوں نظر آتی ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ رنگدار ہیں یا ان کا ہمارے باہر ایک آزاد مادی وجود ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ تمام خواص جو ہم ان اشیاء سے منسوب کرتے ہیں" خارجی دنیا" میں نہیں بلکہ ہمارے اپنے اندر ہوتے ہیں۔

کیا" خارجی دنیا" کا وجود ناگزیز ہے؟

ہم نے" خارجی دنیا" اور اپنے دماغ میں ادراک سے تشکیل پانے والی دنیا کا ذکر بار بار کیا ہے۔ چونکہ ہم" خارجی دنیا" تک فی الحقیقت کبھی نہیں پہنچ سکتے تو پھر ہمیں یہ یقین کیسے آجائے کہ اس قسم کی دنیا کا واقعی کوئی وجود ہے؟

دراصل ہم یقین کر بھی نہیں سکتے۔ چونکہ ہر شے ہمارے ادراک کا مجموعہ ہوتی ہے اور وہ ادراک صرف ہمارے ذہن میں موجود ہوتے ہیں اس لئے یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ وہ دنیا جو فی الحقیقت وجود رکھتی ہے وہ ہمارے ادراک کی دنیا ہے۔ صرف ایک ہی ایسی دنیا ہے جسے ہم جانتے ہیں اور وہ ہے وہ دنیا جو ہمارے ذہنوں میں موجود ہوتی ہے۔ وہ جو ایک شکل رکھتی ہے، ذہنوں میں ریکارڈ ہو جاتی ہے اور وہاں نمایاں بنادی جاتی ہے۔ مختصراً وہ جو ہمارے ذہن میں تخلیق کی جاتی ہے۔ یہی وہ واحد دنیا ہے جس کا ہمیں یقین ہو سکتا ہے۔

ہم یہ بات کبھی ثابت نہیں کر سکتے کہ ہم اپنے دماغ میں جس ادراک کا مشاہدہ کرتے ہیں کوئی مادی باہمی ربط رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ادراک ایک "مصنوعی" منبع سے آرہے ہوں۔

ہمیں اپنے خوابوں میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں، ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں ہمیں چیزیں نظر آتی ہیں اور مختلف چیزوں کی ایسی ترکیب نظر آتی ہے جو بالکل اصل دکھائی دیتی ہیں تاہم یہ سوائے ہمارے ادراک کی پیداوار کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایک خواب اور "حقیقی دنیا" میں کوئی فرق نہیں ہوتا، دونوں کا تجربہ دماغ میں ہوتا ہے۔

مدرک (محسوس کرنے والا) کون ہے؟

جیسا کہ ہم اب تک یہ ذکر کرتے آئے ہیں کہ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ دنیا جس کے بارے میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس میں بس رہے ہیں اور وہ جسے ہم "خارجی دنیا" کہتے ہیں ہمارے دماغ کے اندر تخلیق ہوتی ہے۔ تاہم اس بارے میں یہاں ایک بنیادی نوعیت کا سوال ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ تمام طبعی واقعات جنہیں ہم جانتے ہیں درونِ دماغ پیدا ہونے والے ادراک

ہیں تو پھر یہ ہمارا دماغ کیا ہے؟ ہمارا دماغ چونکہ طبعی دنیا کا ایک حصہ ہے جیسے ہمارا بازو، ٹانگ یا کوئی دوسرا عضو، اسے بھی دوسری چیزوں کی مانند ایک ادراک اور احساس ہی ہونا چاہیئے۔

حس فاصلہ

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے اور اس کتاب کے درمیان فاصلہ، آپ کے دماغ میں تشکیل پانے والا احساس خالی پن یا احساس خلاء ہے۔ اس انسان کے خیال میں جو چیزیں دور نظر آتی ہیں دماغ میں بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر کسی شخص کو آسمان پر جو ستارے نظر آتے ہیں وہ انہیں اپنے آپ سے کئی ملین نوری سال دور تصور کرتا ہے مگر جو ستارے اسے نظر آرہے ہیں وہ درحقیقت اس کے اپنے اندر نگاہ میں موجود ہیں۔

جس وقت آپ یہ سطریں پڑھتے ہیں آپ دراصل کمرے میں نہیں ہیں جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں، اس کے برعکس کمرہ آپ کے اندر ہے آپ کا اپنے جسم کو دیکھنا آپ کے ذہن میں یہ خیال لاتا ہے کہ آپ اس کے اندر ہیں۔ تاہم آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ آپ کا جسم بھی ایک ایسی شبیہ ہے جو آپ کے دماغ کے اندر بن چکی ہے۔

اسی کا اطلاق آپ کے باقی کے ہر ادراک پر ہوتا ہے۔ مثلاَ جب آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ آپ کو اگلے کمرے میں ٹی وی کی آواز آرہی ہے تو آپ دراصل اپنے دماغ کے اندر اس آواز کے تجربے سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ آپ نہ تو یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ ایک کمرہ آپ کے کمرے سے ملحقہ ہے۔ نہ یہ کہ یہ آواز اس ٹی وی سے آرہی ہے جو اس کمرے میں رکھا ہوا ہے۔ وہ آواز جسے آپ سمجھتے ہیں کہ چند میٹر کے فاصلے سے آرہی ہے اور کسی ایسے انسان کی باتوں کی آواز جو آپ کے بالکل قریب

ہے دونوں کا ادراک آپ کے دماغ کے اندر چند مربع سینٹی میٹر کے مرکز میں ہو رہا ہوتا ہے۔ اس مرکز ادراک سے ہٹ کر کوئی بھی دائیں، بائیں، سامنے، پیچھے کا تصور موجود نہیں ہوتا۔ یعنی آواز آپ تک دائیں جانب سے نہیں آتی، نہ بائیں طرف سے نہ فضا سے، کوئی ایسی سمت نہیں ہوتی جہاں سے آواز آرہی ہو۔

جو کچھ آپ سونگھتے ہیں وہ عمل بھی اسی طرح کا ہوتا ہے، ان میں سے کوئی بھی آپ تک طویل فاصلے سے نہیں پہنچتی۔ آپ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ آپ کے سونگھنے کے مرکز میں جو حسی اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ باہر موجود چیزوں کی خوشبو ہے۔ تاہم جس طرح ایک گلاب کی شبیہ آپ کے مرکز نگاہ میں ہوتی ہے اسی طرح اس گلاب کی خوشبو آپ کے سونگھنے کے مرکز میں ہوتی ہے، باہر نہ گلاب ہوتا ہے نہ اس کی خوشبو۔

ہمارے ادراک جس "خارجی دنیا" کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں ان برقی اشاروں کا مجموعہ ہوتی ہے جو ہمارے دماغ میں پہنچ رہے ہوتے ہیں۔ عمر بھر ان اشاروں کو ہمارا دماغ ایک عمل سے گزارتا رہتا ہے اور ہم اس حقیقت کو پہچانے بغیر اپنی زندگیاں گزار دیتے ہیں کہ ہم سے "خارجی دنیا" میں موجود ان چیزوں کو اصلی جاننے میں غلطی سرزد ہوئی ہے۔ ہم اس لئے بھٹک گئے ہوتے ہیں کیونکہ ہم اپنے حواس کے ذریعے اصل مادے تک کبھی نہیں پہنچ پاتے۔

مزید یہ کہ ہم جن اشاروں کو "خارجی دنیا" سمجھ رہے ہوتے ہیں ایک بار پھر ہمارا دماغ ہی ان کی تشریح کر رہا ہوتا ہے اور انہیں کچھ معنی پہنا رہا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آیئے ہم حس سماعت (قوت سامعہ) کی بات کرتے ہیں۔ دراصل ہمارا دماغ صوتی لہروں کو "خارجی دنیا" میں ایک سریا نغمہ و آہنگ میں تبدیل کرتا ہے۔ یعنی موسیقی بھی ایک ادراک ہے جسے ہمارا دماغ تخلیق کرتا ہے۔

اسی طرح جب ہم ان رنگوں کو دیکھتے ہیں جو ہماری نظروں تک پہنچتے ہیں تو یہ محض وہ برقی اشارے ہوتے ہیں جو مختلف طول موج کے ہوتے ہیں۔

خوابوں کے بارے میں بیان کیجانے والی ایک مثال اس موضوع کو مزید واضح کر دے گی۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ اب تک ہم نے جو کچھ کہا اس کے مطابق ہم اپنے دماغ کے اندر ایک خواب دیکھتے ہیں۔ خواب میں ایک تصوراتی جسم ہوتا ہے، ایک تصوراتی بازو، تصوراتی آنکھ اور ایک تصوراتی دماغ۔ اگر ہم سے دوران خواب یہ سوال کیا جائے "تم کہاں دیکھتے ہو؟" ہم جواب دیں گے "میں اپنے دماغ میں دیکھتا ہوں" ۔ حالانکہ کوئی ایسا دماغ تو وجود ہی نہیں رکھتا جس کا ذکر کیا جائے البتہ ایک تصوراتی سر اور تصوراتی دماغ ضرور موجود ہوتا ہے۔

ان ذہنی تصاویر کو دیکھنے والا عالم خواب کا تصوراتی دماغ نہیں ہوتا بلکہ یہ تو ایک "اصلی وجود" ہوتا ہے جو اس سے بہت زیادہ "اعلیٰ وبرتر" ہوتا ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ ایک خواب کا تانا بانا اور وہ ترکیب وترتیب جسے ہم حقیقی زندگی کہتے ہیں دونوں میں کوئی طبعی امتیاز نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب ہم سے اس عالم حقیقی میں، جسے ہم حقیقی زندگی کہتے ہیں درج بالا سوال تم کہاں دیکھتے ہو؟ پوچھا جائے گا تو یہ جواب دینا کہ اپنے دماغ میں بے معنی ہوگا۔ جیسا کہ درج بالا مثال میں دیا گیا ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ وجود جو دیکھتا اور ادراک کرتا ہے دماغ نہیں ہے۔ جو گوشت کا ایک ٹکڑا ہی تو ہے۔ جب ہم دماغ کا تجزیہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں سوائے شحمی اور لحمیاتی سالموں کے کچھ بھی نہیں ہے۔ جو دوسرے جاندار نامیاتی اجسام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس گوشت کے ٹکڑے میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہوتی جس سے یہ تصوراتی شبیہات دیکھ سکے۔ عقل وشعور اور باخبری پیدا کر سکے۔

یا اس وجود کو تخلیق کر سکے جسے ہم (میں خود) کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گوشت کا وہ ٹکڑا جسے ہم دماغ کہتے ہیں۔ تصوراتی شبیہات کو دیکھنے کے لئے شعور و آگاہی یا اس وجود کو تخلیق کرنے کے لئے جسے میں یا خود کہتے ہیں کچھ بھی نہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو وجود دیکھتا، سنتا اور محسوس کرتا ہے وہ ماورائے مادہ کوئی وجود ہے۔ یہ وجود زندہ ہے۔ اور یہ نہ مادہ ہے، نہ مادے کی تصوراتی شبیہ۔ یہ وجود ان ادراک کے ساتھ مل جاتا ہے جو اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ اور اس کے لئے وہ ہمارے جسم کی تصوراتی شبیہ استعمال کرتا ہے۔ یہ وجود روح ہے۔ ادراک کا مجموعہ جسے ہم مادی دنیا کہتے ہیں۔ وہ خواب ہے جسے روح دیکھتی ہے۔ جس طرح وہ جسم جو ہمارے پاس ہے اور وہ مادی دنیا جسے ہم خواب میں دیکھتے ہیں، کی کوئی اصلیت نہیں اسی طرح وہ کائنات جو ہمارے پاس ہے اور جسم جو ہم رکھتے ہیں کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اصل وجود تو روح کا ہے۔ مادہ تو محض ان ادراک پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں روح دیکھتی ہے۔ یہ تمام حقائق ہمیں ایک نہایت اہم سوال کے روبرو لا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ اگر وہ مادی دنیا جسے ہم تسلیم کرتے ہیں محض ان ادراک پر مشتمل ہے جنہیں ہماری روح دیکھتی ہے تو پھر ان ادراک کا منبع و ماخذ کیا ہے۔ اس بات کا جواب دیتے وقت ہمیں درج ذیل حقیقت پر غور کرنا ہو گا۔ مادے کے وجود میں قوت خود اختیاری نہیں ہوتی مادہ چونکہ ایک ادراک ہے۔ یہ ایک مصنوعی شے ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ادراک کسی اور طاقت نے پیدا کیا ہے۔ یعنی اسے کسی نے ضرور تخلیق کیا ہے۔ مزید یہ کہ اس تخلیق کو تسلسل کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگر یہ تخلیق لگاتار اور تسلسل کے ساتھ نہ ہو تو پھر جسے ہم مادہ کہتے ہیں غائب اور معدوم ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایک ٹیلی ویژن سے دی جاسکتی ہے جس پر تصویر اس وقت تک آتی ہے رہتی ہے جب تک ایک اشاریہ نشر ہوتا رہتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ کون ہے جو ہماری روح کو ستارے، زمین، آسمان، سیارے، لوگ، ہمارا جسم اور ہر ایک شے دکھاتا ہے۔ جسے ہم دیکھتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہے کہ ایک عظیم خالق موجود ہے، جس نے پوری مادی کائنات تخلیق کی ہے۔ اور جو ہستی کہ لگاتار اپنی تخلیق جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ خالق اس قدر حسین و جمیل مخلوق تخلیق کر رہا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ اس کے پاس اس کی دائمی قوت و طاقت ہے۔

یہ خالق و مالک اپنا تعارف خود ہم سے کراتا ہے ۔ اُسی نے انسانیت کی ہدایت کے لئے اپنی کتاب بھیجی، اُس کتاب کے ذریعے اس نے اپنے بارے میں ہمیں بتایا۔ کائنات کے بارے بتایا۔ اور ہمیں ہماری وجہ تخلیق سے آگاہ کیا۔

اس کتاب کا نام قرآن ہے۔ جو اس نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی۔

اس خالق کا نام اللہ ہے۔

صرف اللہ ہی ہے جو موجود ہے۔

ماسوا اللہ ہر شے سایہ ہے پرچھائیں ہے۔

(ہارون یحیٰی)

نظریہ ارتقاء ایک فریب ہے

موجود

و قد ثبت عند المحققین ما فی الوجود الا اللہ و نحن و ان کنا موجودین فانما کان وجود نابہ فمن کان وجودہ بغیر ہ فھو فی حکم العدم ۔

ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے کہ صفحہ ہستی پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں اور اگرچہ ہم بھی موجود ہیں۔ تاہم ہمارا وجود اس کی وجہ سے ہے اور جو وجود غیر کی وجہ سے ہو وہ عدم کے حکم میں ہوتا ہے۔

(حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ)

وجودی اولیا فرماتے ہیں ہم یا اشیا موجود تو ہیں لیکن بالغیر موجود ہیں یعنی بذات خود موجود نہیں اور بالغیر موجودگی عدم کا درجہ رکھتی ہے۔ لہٰذا اشیا عدم ہیں اور فی الحقیقت ذات واجب الوجود ہی موجود ہے۔ اس مجموعی کائنات کا شمار ممکنات میں آتا ہے اور ممکنات کا وجود حادث ہے اور حادث عارضی ہوتا ہے۔ اور اس کا وجود ذاتی نہیں ہوتا۔ اپنی عارضی ہستی کے لئے اس کائنات کا ذرہ ذرہ حق تعالیٰ کا محتاج ہے۔

حضرت سیدنا حمید الدینؒ صوفی خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری فرماتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ مخلوق کا وجود ہی نہیں کہ تمام مخلوقات اسی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئی ہیں۔

یعنی اپنی پیدائش میں چونکہ اس مخلوق کو کوئی دخل ہی نہیں اسلئے یہ کالمعدوم ہے

اور جو ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔

(جس مخلوق کو اپنی پیدائش اور موت پر اختیار نہ ہو گا معدوم ہی کہلائے گی)

لیس فی الدار غیرہ موجود

فھو اللہ حامد محمود

ترجمہ: اس گھر میں اس کے سوا کوئی موجود نہیں وہی حامد ہے وہی محمود ہے۔

خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زناری

نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

عالم جلوہ گاہِ حق

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں کہ عالم علامت سے مشتق ہے۔ علامت نشانی کو کہتے ہیں۔ عالم کو عالم اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کسی دوسری چیز کی نشانی ہے۔ اور وہ دوسری چیز حق ہے۔ یعنی عالم حق کی علامت یا نشانی ہے۔ اس لئے ظاہر پر نظر رکھو تو خلق ہے اور حقیقت پر نظر رکھو تو حق ہے۔ اہل حقیقت کی نظر میں وجود ایک حقیقتِ واحدہ معینہ ہے جو سرچشمہ ہے تمام آثار کے ترتب کا اور وہ منحصر ہے ایک ذات میں جسے ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق ایک خاص نام سے موسوم کرتا ہے۔ چنانچہ انبیاء اسے اللہ کہتے ہیں۔ دراصل وجود اسی ذات واحد میں منحصر اور یہ کائنات اس وجود کے آثار واظلال کا دوسرا نام ہے۔

(فتوحات مکیہ)

کثرت ممکنات (کائنات) فریبِ نظر یا دھوکہ نہیں بلکہ جلوہ گاہِ وجودِ حق ہے۔ عالم محض وہم نہیں ہے کیونکہ اس کے تمام اجزاء نشاناتِ الٰہی ہیں۔ تصوف یا طریقت میں باطل، فانی، موہوم یا معدوم حقیقتِ شے کو نہیں بلکہ صرف تعینات یا اعتبارات کو کہا جاتا ہے، حقیقت ایک ہی ہے جو ازلی ابدی اور لافانی ہے اور وہی ممکناتِ عالم کے آئینہ میں جلوہ گر ہے۔

فا ینما تولو فثم وجه الله

جہاں بھی دیکھو اللہ ہی کا چہرہ ہے۔

کائنات کو اللہ کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے۔

سنریهم آیا تنا فی الافاق و فی انفسهم حتیٰ یتبین لهم انه الحق۔

قریب ہے کہ ہم ان کو اپنی نشانیاں عالم خارجی اور خود انکی ذات میں دکھائیں گے،
یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ حق ہی ہے۔

قرآن سب کی حقیقت اللہ ہی کو قرار دیتا ہے خواہ موجودات خارج اور ظاہر میں ہوں یا باطن میں، زمانی ہوں یا مکانی ہوں۔ هو الاول والاخر والظاهر والباطن ۔

فتوحاتِ مکیہ میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کا ایک مکالمہ حضرت ہارونؑ کے ساتھ ہے جو قابل توجہ ہے۔ (بحوالہ نقد اقبال مئولف حضرت میکش اکبر آبادی)

حضرت ہارونؑ نے فرمایا : اس حال میں کہ جب تم بجز خدا کے کسی کو نہیں دیکھتے تو کیا در حقیقت عالم بھی فنا ہو جاتا ہے جیسا کہ تمھیں مشاہدہ ہوتا ہے یا کہ عالم باقی رہتا ہے؟

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ: عالم تو باقی رہتا ہے لیکن ہم عالم کو دیکھنے سے محجوب ہو جاتے ہیں۔

حضرت ہارونؑ نے فرمایا: اس شہود میں جس قدر تم عالم کو دیکھنے سے محجوب ہوتے ہو اسی قدر خدا کے متعلق تمہارا علم ناقص ہے، کیونکہ عالم کے سارے اجزا نشاناتِ الٰہی ہیں۔

وحدۃ الوجود کی آخری منزل فنا نہیں بلکہ بقاباللہ ہے۔(یہی جمع الجمع ہے)

توحید حقیقی میں موجوداتِ عالم کو مظاہرِ حق، مرآتِ الٰہی، آیات حُسن حقیقی اور اللہ کی نشانیاں وغیرہ کہا جاتا ہے۔لوگ انہیں بلحاظ حقیقت عینِ حق اور بلحاظ تجسم وتعین غیر حق سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ تعینات بھی وجود حقیقی کی نشانیاں یا شانیں ہیں۔نہ اس سے جدا ہیں نہ اس سے باہر، نہ ذات کے مقابل خود بخود قائم۔لہٰذا ہستی حقیقی کو بلا تجزیہ وانقسام دیکھنے والا اس کی کسی شان کو اسکا غیر نہیں سمجھتا۔اسکی نظر میں معشوقِ حقیقی کی ہر شان اس کے حسن کی شان اور عشق کو تیز کرنے والی ادائیں ہیں لہٰذا وہ اسے بھی عین حسن سمجھتا ہے۔اس کی ادائیں تو بے شمار ہیں لیکن ان کا منبع ایک ہی حسن ہے اسی طرح مظاہر ہستی بے شمار ہیں لیکن "ہستی" ایک ہے۔

(مخزن الخزائن)

عشق

اللہ جمیل یحب الجمال

اَلْعِشْقُ نَارُٗ یَحْرِقُ مَا سِوٰی اللہ　　　اَلْعِشْقُ ھُوَالذّاتُ

عشق ایک آگ ہے جو سوا اللہ کے ہر شے کو جلا دیتی ہے　　　عشق ہی ذات ہے

عشق اول عشق آخر عشق کل
عشق شاخ عشق نخل عشق گل　(علامہ محمد اقبالؒ)

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِیْ الْاٰفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِہِمْ۔

جاننا چاہیے کہ معرفت کے لیے دو ہی تعینات انسان کے پیش نظر ہیں خواہ اپنے آپ میں اپنی ذات و صفات اور افعال کو دیکھ شناخت کرے کہ جس کو انفس کہتے ہیں۔ خواہ عالم کے اشیاء کو دیکھ کر حقائق اشیاء کا ادراک کرے جس کو آفاق کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی ذریعہ اور وسیلہ شناخت کا نہیں ہے۔ اگر علیحدہ علیحدہ انفس اور آفاق میں شناخت کی جائے تو وہ معرفت ادھوری اور ناتمام ہے اگرچہ انفس اور آفاق ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ شناخت انفس سے کچھ نہ کچھ آفاق کی بھی شناخت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شناخت آفاق سے کچھ نہ کچھ شناخت نفس ہوتی ہے۔ مگر تکمیل اسی میں ہے کہ دونوں کی

شناخت ایک ساتھ ہو۔ اور انفس کی شناخت کو آفاق کی شناخت پر غلبہ ہو۔ کیونکہ آفاق جسم ہے اور انفس اس کی روح کیونکہ آفاق میں کسی چیز کا وجود بغیر انفس کے ادراک کے پایا نہیں جاتا۔

قوت و مرحمت والی وہ ذات جمالِ مطلق ہے۔ خاکدانِ وجود کے جملہ مراحل سے جو حسن و کمال آشکارا ہے۔ وہ اسی کے پرتوِ جمال و کمال کا نظارا ہے۔ اسی کی ضیاء تابی سے اہل مراتب نقوشِ جمال اور صفاتِ کمال سے آراستہ ہوئے۔ دانا کی دانائی بھی اسی کا ثمر اور بینا کی بینائی بھی اسی کا ثمر ہے۔ وہ پاک ذات ہے۔ اس کی کل صفات جو کلیت و کاملیت کی بلندیوں سے اتر کے جزئیت و تقیّد (انفرادی واضافی) کی گہرائیوں میں جلوہ گر ہوئیں تو اس کا مقصد یہ تھا کہ تو جز سے کل کا راستہ پا سکے اور تقیّد سے مطلق کی طرف متوجہ ہو سکے اور تجھے یہ خیال نہ ہو کہ جز کل سے جدا ہے۔ اور نہ تقیّد پر اتنا غور کرے کہ مطلق سے تیرا رشتہ ہی منقطع ہو جائے۔

غافل نہ تقید سے تجھے ہوش آئے　　ہر سمت ضیاء بار سے نور مطلق

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیبِ جملہ ءعلّت ھائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے تو افلاطون و جالینوس ما

دردِ عشق آمد دوائے ہر دلے

حل نہ شُد بے عشق ہرگز مشکلے

المجاز قنطرۃ الحقیقۃ (مجاز حقیقت کا زینہ ہے)

غنیمت دان اگر عشق مجازی است
کہ از بہر حقیقت کارسازی است

کھولا ہے مجھ پر سرِ حقیقت مجاز نے
یہ پختگی صِلہ ہے خیالاتِ خام کا

اسی واسطے حق تعالیٰ نے جو قصہ عشق مجازی ہے۔ اس کو احسن القصص (سورۃ یوسف) قرار دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ تام مظہرِ حق ہیں بلکہ عینِ حق ہیں اور آپ ﷺ متخلق با اخلاق اللہ ہیں جس طرح حق تعالیٰ نے بحکم فاحببت ان اعرف کے رسول اللہ ﷺ کے عشق سے عالم کی تخلیق فرمائی۔ اگر عشق اعلیٰ ترین سلوک نہ ہوتا تو خود جناب باری تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کو اپنا محبوب نہ بناتا۔ نہ خود ان پر درود بھیجتا، نہ ہم کو مع فرشتوں کے ان پر درود پڑھنے کی ہدائت فرماتا۔

ان اللہ وملئکۃ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنو صلو علیہ وسلمو تسلیما۔

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمدٍ و علیٰ الہ وبارک وسلم

مولائے صل وسلم دائماً ابدا

علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد سید الکونین و الثقلین

و الفریقین من عربٍ و من عجمٍ

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق

عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

(علامہ اقبالؒ)

تصحیحِ خیال

صوفیوں کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ وصول الی اللہ جو سارے سیر و سلوک کی غرضِ اصلی ہے سوائے تصحیح خیال کے اور کچھ نہیں ہے (انکی رائے میں) اصلی مطلوب معرفت خداوندی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں اور معرفت کی راہ خیال کو ماسوا سے پاک کئے بغیر طے نہیں ہو سکتی۔ اگر راہ طریقت میں کوئی ریاضت کی جاتی ہے تو صرف اس لئے کہ تصحیح خیال بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتی ہے کہ انسان کم کھائے، لوگوں سے کم میل جول رکھے اور کم سوئے۔

اور اس فقیر (شاہؒ ولی اللہ) کے نزدیک (سارے سیر و سلوک کا) مقصد یہ ہے کہ حظیرۃ القدس کی سطح کے اس جز تک وصول ہو جائے جو اس (سالک) کے لیے مقرر ہو چکا ہے، اور اس منزل پر پہنچنے کے لیے انسان کے بہیمی اوصاف میں تغیر ہونا ضروری ہے۔ بہیمیت پر ملکیت کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ تاکہ ظلماتی وجود فنا ہو جائے اور وجود روحانی کے ساتھ بقا حاصل ہو جائے۔ ساری عبادات و ریاضت کا صرف یہ ہی مقصد ہے۔

اور اگر کوئی شخص خواص اولیاء اللہ میں سے ہے تو اس (مذکورہ بالا) تغیر کے بعد بھی ایک تغیر اس کے لیے ضروری ہے وہ یہ کہ اس کا وجود روحانی بھی فنا ہو جائے اور اسے حقیقت لاہوت کے ساتھ اتصال حاصل ہو جائے۔

حقیقت لاہوت کے ساتھ اتصال کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ہستی کا تیری ہستی پر غلبہ ہو جائے، اور چونکہ نفس ناطقہ علمی اور عملی دونوں قسم کے قویٰ رکھتا ہے، اس لئے اذکار و مراقبات اور تجرید خیال بھی سلوک کی ایک شرط قرار پائے، کیونکہ مقصود کا ایک جز اس پر بھی موقوف ہے۔

سیر سلوک کی مثال ایسی ہے جیسے کہ برف کے نیچے آگ روشن کر دیں۔ یہاں تک کہ برف پگھل کر پانی بن گئی۔ پھر پانی بھاپ بن گیا۔ کثافت سے لطافت کی طرف اور لطیف سے لطیف تر کی جانب سفر تا کہ اخلاق کے رزائل فضائل میں بدل جائیں اور انسان حظیرۃ القدس کی محفل میں شریک ہونے کے قابل ہو جائے۔

(حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)

(سطعات)

توفیق

کشف صحیح سے یہ بات ثابت ہے کہ سیر و سلوک کا اس کے سوا کوئی اور سبب نہیں ہے کہ ارادۂ الٰہی میں یہ بات آجاتی ہے کہ فلاں شخص حظیرۃ القدس کے فلاں مقام کی سطح تک پہنچے گا۔ جب یہ ارادہ قائم ہو گیا تو پھر اس شخص کو مختلف احوال سے گزارا جاتا ہے اور معدّات میں اس انداز سے تصرف کیا جاتا ہے کہ (وہ شخص) حظیرۃ القدس کی مطلوبہ سطح تک (خود بخود) منتقل ہو تا جائے۔ ان تغیر ان میں اس شخص کے قصد و ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہوا کرتا۔ بعض اشخاص کو البتہ الہام کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ ان عبادات و ریاضت بدنیہ ونفسانیہ کو اختیار کریں اور اس مقام بلند کے لائق ہو جائیں۔

ویتخذ منکم شھداء (آل عمران۔۱۴۰)

ترجمہ: یعنی اللہ تم میں سے بعض کو گواہ بنالیتا ہے

کے یہی معنی ہیں اور آیت ویحبھم ویحبونہ میں ویحبھم کو یحبونہ پر مقدم کرنے میں یہی راز مضمر ہے۔

اور بعض حالات میں جب کہ نفس پہلے ہی سے مزکّٰی ہوتا ہے اور جس درجہ پر اسے پہنچانا مقصود ہوتا ہے وہ اس کا اہل ہوتا ہے تو اسے نور ایمانی سے یا بذریعہ خواب مطلع کر دیا جاتا ہے:

لهم البشرىٰ فى الحيوة الدنيا (یونس ٦٤)

ترجمہ: (ان کے لیے دینوی زندگی ہی میں خوش خبری ہے) کا یہی مطلب ہے۔

اور بعض حالات میں اللہ تعالیٰ شوق اور طریق کے سلوک کا اس کے دل میں الہام فرما دیتے ہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے) ہر آدمی کو اسی بات کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اکثر اشخاص چونکہ اس موطن کو جہاں انھیں لے جایا جا رہا ہے اور اس تدبیر الٰہی کو جو الہام کا سبب بنی ہے نہیں جانتے اس لیے وہ اس خیالِ خام میں مبتلاء رہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کوشش سے منازل سلوک طے کیے اور اپنے سلوک کی بدولت منزلِ مقصود پر پہنچے۔

(حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)

(سطعات)

حرکتِ دوری

کشف صحیح سے یہ بات جان لی گئی ہے کہ جو شخص بھی اس عالم شہادت میں آتا ہے، اس کی حرکت حرکت دوری ہوتی ہے (یعنی گھوم پھر کے اسی مقام پر جا پہنچتا ہے جہاں سے چلا تھا) سب سے پہلے اس کا وجود عنایتِ اولیٰ کے مرتبہ عقل میں مجرد مفارق کی حیثیت سے تھا پھر جب وقت مقررہ آ پہنچا تو وہ (وجود عقلی مجردِ مفارق) نشاء خیالیہ کی راہ سے عالم شہادی میں ظہور پذیر ہوا۔ اس کے ظہور کا پہلا درجہ یہ تھا کہ مجرد محض نے اپنے تعین و تشخص کے اعتبار سے اس کی صورت مثالیہ کو عالم مثال، قوائے افلاک اور ملاء اعلیٰ میں مرتسم کر دیا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کتب اللہ ما کان و ما ھو کائن (اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لکھ دیا جو ہوئی اور جو واقع ہو گی) اسی نقش مرتسم کو الامام المبین یا اللوح المحفوظ کہتے ہیں۔

اسکے بعد وہ فرد عالم مثال کے مختلف اطوار میں سے گزرتا ہے اور عنایت اولیٰ اس کے ظہور کے لیے اسباب کو مہیا کرنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ وقت مقررہ آ جاتا ہے۔ اور اس کے لیے ایک مادی جسم معین ہو جاتا ہے۔ پھر اجل موعود آتی ہے اور وہ فرد ایک جسم کی شکل میں عالم مادیات میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہاں وہ اپنی مقررہ عمر کو مکمل کرتا ہے (عمر کو مکمل کرنے کے بعد اس پر موتِ عنصری طاری ہو جاتی ہے) اس کی جسمانی صورت شکست و ریخت کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کا ناطہ زمین کے

اجزا سے ٹوٹ جاتا ہے اور وہ (اس کا نفس ناطقہ) مادی علاقوں سے قطع تعلق کر کے افلاک کے قوائے ادراک اور ملاء اعلیٰ میں قیام پذیر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جن جن منازل سے گزر کر اس نے اس عالم مادیات میں نزول کیا تھا۔ پھر ان ہی منازل سے گزرتا ہوا صعود شروع کرتا ہے۔ تا آنکہ پھر اسی نقطہء مجرد تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے اس نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس مقام پر پہنچ کر وہ تمام تلویثات سے خالی ہو جاتا ہے (وہ تمام چھلکے اس کے اوپر سے اتر جائیں گے جو ضرورتاً اس پر چڑھا دئے گئے تھے۔) اور عقل مفارق یا مجرد محض بن کر عنایت اولیٰ کے بحر ناپیدا کنار میں گم ہو جاتا ہے۔ (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) (سطعات)

مثال

جیسے ایک قطرہ ابرِ باراں سے جدا ہوا اور کسی گلستان میں گرا اور اپنے آپ کو شدت برد سے منجمد پا کر اس نے ہستی مستقل کا توہم کیا۔ مگر سنتا تھا کہ ایک دریا ہے۔ اس میں سے آیا ہوں برسات میں بارش کے قطروں کے ساتھ مل کر پھر وہ پانی ہوا۔ جمع ہو کر پہلے نالا پھر ندی پھر نہر اور لہروں کے روپ میں نمودار ہوا پھر کبھی موج کی صورت ہے تو کبھی حباب کی۔ اور کبھی کف ہوتا ہے تو کبھی بخار۔ پھر ابر ہوا اور متقاطر ہو کر باران ہوا، دوسرے قطروں سے مل کر پھر نالہ، ندی، نہر آخر دریا میں پہنچا۔

چوں بدریا رسید کرد آرام

شد ازیں دور سیر بحر تمام

ایک گردش ہے صورت پرکار اور ٹھکانہ نظر نہیں آتا

خواب

خواب تھاجو کچھ دیکھاجو سنا افسانہ تھا

شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے نزدیک موجودہ زندگی میں جو چیزیں معنوی اور تخیلی ہیں عالم آخرت میں محسوس اور واقعی ہو جائیں گی لیکن دنیاوی زندگی کے بغیر اخروی زندگی ممکن نہیں۔ اخروی زندگی کے لیے خاص قسم کی تربیت اور خاص نشوونما کی ضرورت ہے تاکہ اس زندگی کے لئے جو طاقت اور تحمل درکار ہے وہ حاصل ہو جائے چنانچہ عالم برزخ اصل میں تربیت گاہ ہے۔

عالم برزخ کی تشریح اور افادیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں سب سے پہلے ہمارا ظہور اسی زندگی کے ساتھ اس عالم میں ہوا ہے لہٰذا اس عالم کو دار دنیا اور دار اولیٰ کہا جاتا ہے اور اس زندگی کو حیات دنیاوی۔۔ اس زندگی اور بعد الحشر زندگی کی درمیانی مدت برزخی یعنی درمیانی اور وسطی زندگی ہے جسکا مقام عالم برزخ ہے۔ برزخی زندگی سے ان صورتوں کا بدل جانا جن میں حشر نشر ہو گا اخروی زندگی ہے اور عالم آخرت اس زندگی کا مقام ہے کیونکہ موجودہ زندگی کے اعتبار سے وہ دوسرا عالم اور دوسری زندگی ہے۔

انسان دنیا کے بطن میں ہے اور اس کا زمانہ پیری ماہ ولادت ہے اور اسے دنیا اپنے بطن سے برزخ میں پہنچا دیتی ہے یہ آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے اس میں انسان روز حشر تک اسی طرح تربیت پاتا ہے جیسے بچہ۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے نزدیک ممکنات سب کے سب خیالی ہیں اس لئے حیات دنیاوی ہو یا حیات برزخی یا اخروی ان سب کی ہستی خیالی ہے تاہم ان میں باہم فرق ہے۔ اگر ان میں فرق نہ ہوتا تو ان میں اختلاف اور امتیاز کے کوئی معنی نہیں تھے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ دنیاوی زندگی ایک خواب ہے اور موت احساس بیداری کے ساتھ اس خواب کے انقطاع کا شعور اور یہ بیداری حقیقتاً خود بھی خواب ہی ہے جہاں سے برزخی حیات کا دوسرا خواب شروع ہوتا ہے جو حشر کی بیداری پر ختم ہوتا ہے گویا یہ مسلسل زندگی اور اس کے احوال خواب در خواب ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ واقعہ بھی ہے ۔موت سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔۔وہ (یعنی موت) دنیاوی زندگی کی حالت کے اعتبار سے بیداری ہے جب اخروی زندگی میں مبعوث ہوں گے تو مبعوث شخص کہے گا ہمیں ہمارے خواب سے کس نے اٹھایا؟

فرق صرف عالم ملک وعالم ملکوت میں اسی قدر ہے کہ عالم ملک خوابِ مختصر ہے
اور عالم ملکوت خوابِ طویل چھٹکارا نہ اس میں ہے نہ اوسمیں۔

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

(علامہ محمد اقبالؒ)

شطیحات

تصوف میں شطح یا(جمع) شطیحات ان خاص کلمات کو کہاجاتا ہے جو مغلوب الحال صوفی عالم سُکر، فنایا ذوق و مستی کی حالت میں ادا کرتا ہے۔
امام قشیری کے مطابق بعض بزرگ اس حالت کو جمع الجمع سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ان کلمات کے صدور کے وقت صوفیاعام طور پر آداب شریعت کالحاظ کئے بغیر الوہیت کا دعویٰ سمیت کئی غیر معمولی دعوے کرڈالتے ہیں۔ پھر علماء شریعت اور افتاوقضا منصب داروں کے ظلم سہتے ہیں۔
شطیحات کے معاملے میں علماء شریعت اور صوفیاء کے درمیان ہمیشہ اختلاف رہاہے۔صوفیاء میں بعض نے ان کے متعلق سکوت اختیار کیااور بعض نے اسے کلام العشاق سے تعبیر کیا۔لیکن علماء شریعت نے مجموعی طور پر انہیں ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھاہے بلکہ بعض علماءنے ان پر سخت نقطہ چینی کی ہے۔
امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عارفوں نے آسمان حقیقت پر پہنچنے کے بعد اس امر پر اتفاق کرلیاہے کہ انہوں نے تنہاحق تعالیٰ ہی کاوجود دیکھاہے۔لیکن ان میں سے بعض کے لیے یہ حالت عرفانِ علمی کی ہے اور بعض کے لیے یہ کیفیت ذوقی وحالی ہے ان کے سامنے سے کثرت کلّی طور سے غائب ہو جاتی ہے۔اور وہ فردائیت محض میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔انکی عقلیں گم ہو جاتی ہیں اور وہ مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں۔اس حال میں نہ توغیر اللہ کے خیال کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ اپنے نفس کی پروا انکے سامنے صرف اللہ باقی رہتاہے۔وہ سرمست ہو جاتے ہیں۔پس ان میں سے کوئی اناالحق بول

اٹھتا ہے اور کوئی سبحانی ما اعظم شانی کہتا ہے اور کسی کی زبان سے ما فی الجبۃ الا اللہ کے الفاظ نکلتے ہیں۔ عاشقوں کا یہ کلام جو حالتِ سکر میں انکی زبانوں سے صادر ہوتا ہے بیان نہیں کیا جاتا بلکہ اسے طے کر کے لپیٹا جاتا ہے۔ پھر انکا سکر جب کم ہو جاتا ہے اور پاسبانِ عقل لوٹ آتا ہے تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اتحاد نہیں بلکہ اتحاد سے مشابہ کوئی بات تھی اس عاشق کے قول کے بمصداق جو فرطِ عشق میں کہہ اٹھتا ہے۔

چاہنے والا بھی میں ہی ہوں اور جسے چاہتا ہوں وہ بھی میں ہی ہوں ہم دو روحیں ہیں جو ایک بدن میں ساتھ ساتھ ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق انکی زبان سے ان الفاظ کا بھی صدور ہوا۔۔۔ میں سراسر ہوں۔۔۔ انوار کا درخت ہوں۔۔۔ میں گرج کا بھیجنے والا ہوں۔۔۔ میں غازیوں کی ڈھال ہوں۔۔۔ میں صابرین کا لباس ہوں۔۔۔

اہگل تصوف کے نزدیک شطحات کا صدور سب سے پہلے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کی زبان سے ان الفاظ سے ہوا۔۔۔

انا نقطۃ با بسم اللہ و انا القلم و انا اللوح المحفوظ و انا عرش و انا الکرسی و انا السمٰوٰت السبع والارضون۔

"میں وہ نقطہ ہوں جو (بسم اللہ) کی ب کے نیچے ہے۔۔۔ میں قلم ہوں۔۔۔ میں لوح محفوظ ہوں۔۔۔ میں عرش ہوں۔۔۔ میں کرسی ہوں۔۔۔ میں سات آسمان اور زمین ہوں"۔

(مراۃ العارفین)

شیخ بایزید بسطامیؒ :۔ ایک مرتبہ آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔۔۔۔” اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دفع اٹھا کر اپنے سامنے کیا اور کہا اے بایزید میری مخلوق تجھے دیکھنا چاہتی ہے میں نے کہا مجھے اپنی واحدانیت سے سجادے۔ اپنی انا کا لباس پہنا۔ اپنی احدیت کی طرف اٹھا۔ یہاں تک کہ جب آپکی مخلوق مجھے دیکھے تو کہے کہ ہم نے تجھے (خدا) دیکھا اس وقت وہ آپ ہی ہوں گے۔ میں نہیں ہوں گا ۔۔۔پاک ہے میری ذات۔۔ پاک ہے میری ذات۔۔ میری شان کتنی بلند ہے۔۔۔۔ میں میں نہیں ۔۔۔ میں میں ہوں۔۔ کیونکہ میں وہ ہوں وہ ہوں وہ ہوں وہ۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ:۔ لیس فی جُبّتی سویٰ اللّٰہ

ترجمہ: میرے جبہ میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے۔

حضرت حسین بن منصور حلاجؒ :۔ انا الحق (یعنی میں خدا ہوں)

حضرت شیخ ابو بکر شبلیؒ:۔ وانا اقول و انا اسمع وھل فی الدارین غیری۔

(میں ہی کہتا ہوں۔۔ میں ہی سنتا ہوں۔۔ کیا دونوں جہانوں میں میرے علاوہ اور کوئی ہے)۔

حضرت غوث صمدانی قطب ربانی سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں“ انا الروف”

ترجمہ: یعنی میں رؤف ہوں۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہیں:۔

من خدایم من خدایم من خدا
فارغم از کبرہ کینہ و زھوا

کتب تصوف میں بے شمار شطیحات درج ہیں یہاں پر اختصار سے بعض نقل کر دی ہیں۔

(ڈاکٹر شاہد مختار) تذکرہ سرمد شہید

الہامات قلبی و کشف المعنوی

حقائق ناسوتی و ملکوتی و جبروتی

تذکرہ غوثیہ و معراجیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَاشِفِ الْغُمَّۃِ وَ الصَّلٰوۃُ عَلیٰ خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ۔۔ اما بعد

ترجمہ: ہر حمد اللہ کے لیے ہے جو اندھیروں کو دور کرنے والا ہے

اور بے شمار درود وسلام اس پر جو مخلوق سے بہتر ہے۔اس کے بعد۔

قَالَ الْغَوْثِ الْاَعْظَمُ الْمَسْتَوْحِشُ عَنِ غَیْرِاللّٰہُ وَ الْمُسْتَاءَ نِسُ بِاللّٰہِ ۔

ترجمہ: غوث الاعظمؒ نے فرمایا" غیر اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرو۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ یَا غَوْثُ الْاَ عْظَمْ قُلْتَ یَا رَبِّ الْغَوْثِ قَالَ کُلُّ طَوْرِ بَیْنَ النَّاسُوْتِ الْمَلَکُوْتِ فَھُوَ شَرِیْعَۃُ وَکُلُّ طَوْرِ بَیْنَ الْمَلَکُوْتِ وَ الْجَبَرُوْتِ فَھُوَ طَرِیْقَۃُ وَکُلْ طَوْرِ بَیْنَ الْجَبَرُوْتِ وَاللَّا ھُوْ تِ فَھُوَ حَقِیْقَۃُ

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اے غوث الاعظم ! میں نے عرض کیا اے غوث کے رب! فرمایا تمام طور جو عالم اجسام اور عالم ارواح کے درمیان ہیں وہ شریعت ہیں اور تمام طور جو عالم ارواح اور مرتبہ صفات کے درمیان ہیں وہ طریقت ہیں اور تمام طور جو مرتبہ صفات او ر مرتبہ فنا فی اللہ کے درمیا ن ہیں حقیقت ہیں

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ مَا ظَهَرْتُ فِیْ شَیْیٍ کَظُهُوْرِی فِی الْاِنْسَانِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ! اے غوث الاعظم ! جو کچھ کہ میں نے ہر چیز میں ظاہر کیا ہے وہ سب کچھ انسان میں یکجا ظاہر کیا ہے۔

ثُمَّ سَاءَ لْتُ یَا رَبِّ هَلْ لَکَ مَکَانٌ ، قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الْاَعْظَمُ اَنَا مُکَوِّنُ الْمَکَانِ وَ لَیْسَ لِیْ مَکَانٌ

ترجمہ: پھر میں نے سوال کیا، یا رب تیرے لیے کون سا مکان ہے؟
مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! میں تمام مکانات کا پیدا کرنے والا ہوں لیکن میرے لیے کوئی مکان نہیں ہے۔

ثُمَّ سَاءَ لْتُ یَارَبِّ هَلْ لَکَ اَکْلٌ وَ شُرْبٌ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الْاَعْظَمُ اَکْلُ الْفَقِیْرِ وَ شَرْبُهٗ اَکْلِیْ وَ شُرْبِیْ

ترجمہ: پھر میں نے سوال کیا تو کیا کھاتا ہے اور پیتا ہے؟ مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! فقیر کا کھانا اور پینا میرا ہی کھانا اور پینا ہے۔

ثُمَّ سَاءَ لْتُ یَارَبِّ مِنْ اَیْ شَیْءٍ خَلَقْتَ الْمَلٰاءِکَۃَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الْاَعْظَمُ خَلَقْتُ الْمَلَاءِکَۃَ مِنْ نُورِ الْاِنْسَانِ وَ خَلَقْتُ الْاِنْسَانَ مِنْ نُوْرِیْ۔

ترجمہ: پھر میں نے سوال کیا یا رب! تو نے فرشتوں کو کس چیز سے بنایا۔ مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! میں نے فرشتوں کو انسان کے نور سے پیدا کیا ہے اور انسان اپنے نور سے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ جَعَلْتُ الْاِنْسَانَ مَطِیَّتِیْ وَ جَعَلْتُ سَاءِرَ الْاَکْوَانِ مُطِیَّۃُ لَہٗ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! میں نے انسان کو اپنی خوشی کے لیے پیدا کیا ہے اور تمام مخلوقات کو اس کی خوشی کے لیے

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ نِعْمَ الطَّالِبُ اَنَا وَ نِعْمَ الْمَطْلُوْبُ الْاِنْسَانُ وَ نِعْمَ الرَّاکِبُ الْاِنْسَا نُ وَ نِعْمَ الْمَرْکُوْبُ لَہُ الْاَکْوَانُ۔

ترجمہ: پھر فرمایا مجھے یا غوث الاعظم ! سب سے اچھا طالب میں ہوں اور سب سے بہتر مطلوب انسان ہے اور بہترین سوار انسان ہے اور بہترین سواری اس کے لئے تمام مخلوق ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَ اَنَا سِرُّہٗ
لَوْ عَرَفَ الْاِنْسَانُ مَنْزِلَتَہٗ عِنْدِی لَقَالَ فِی کُلِّ نَفْسٍ مِنَ الْاَنْفَاسِ لِمَنِ الْمُلْکَ الْیَوْمَ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں۔ اگر انسان اپنا مرتبہ سمجھے جو اس کا میرے نزدیک ہے تو اپنے تمام سانسوں سے ہر ایک سانس میں یہی کہتا رہے کہ آج کس کی بادشاہت ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ مَا اَکَلَ الْاِنْسَانُ شَیْءًا وَ مَا شَرِبَ وَ مَا قَامَ وَ مَا قَعَدَ وَ مَا نَطَقَ وَ مَا صَمَتَ وَ مَا فَعَلَ فِعْلًا وَ مَاتَوَجَّہَ لِشَیْیءٍ وَ مَا غَابَ عَنْ شَیْیٍ اِلَّا وَ اَنَا فِیْہِ سَاکِنُہٗ وَ مُتَحَرِّکُہٗ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! جو کچھ انسان نے کھایا پیا یا کھڑا ہوا یا بیٹھا یا بولا یا چپ ہوا یا کوئی کام کیا یا کسی چیز کی طرف دیکھا یا کسی چیز سے غائب ہوا مگر میں ہی اس میں ساکن ہوں اور اس کا متحرک ہوں۔

ثُمَّ قَالَ لَیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ جِسْمُ الْاِنْسَانِ وَ نَفْسُہٗ وَ قَلْبُہٗ وَ رُوْحُہٗ وَ سَمْعُہٗ وَ بَصَرُہٗ وَ یَدُہٗ وَ رِجْلُہٗ وَ لِسَانُہٗ وَ کُلُّ ذَالِکَ ظَھَرَتْ لَہٗ نَفْسُ بِنَفْسٍ لَا ھُوَ اِلَّا اَنَا وَ لَا اَنَا غَیْرُہٗ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! انسان کا جسم اور نفس اور دل اور روح اور اس کے کان اور اس کی آنکھیں اور اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں اور اس کی زبان اور تمام وہ جو اس کے لیے پشت بہ پشت ظاہر کئے گئے ہیں وہ میرے غیر نہیں اور نہ میں ہی ان کا غیر ہوں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اِذَارَاءَ یْتَ الْمُحْتَرِقَ بِنَارِ الْفَقْرِ وَ الْمُنْکَسِرْبِکَثْرَۃِ الْفَاقَۃِ فَتَقَرَّبْ اِلَیْہِ لاَنَّہٗ لَا حِجَابَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہٗ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم !جب تو کسی شخص کو غربت کی آگ سے جلا ہو اور کثرت فاقہ کشی سے شکستہ دیکھے پس اس کی نزدیکی اختیار کر کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ لَا تَاْکُلْ طَعَامًا وَ لَا تَشْرَبْ شَرَابًا وَ لَا تَنَمْ نَوْمَۃَ اِلاَّ عِنْدَ قَلْبِ حَاضِرِ وَ عَیْنِ نَاظِرِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا غوث الاعظم ! نہ کھانا کھاؤ ،نہ پانی پیو ، نہ سوو مگر جب دل حاضر اور آنکھ دیکھ رہی ہو (یعنی یہ منزل جب حاصل ہو جائے تب کھا ، پی ، سو سکتے ہو ورنہ نہیں)

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ مَنْ حُرِمَ عَنْ سَفْرِیْ فِی الْبَاطِنِ اُبْتُلِیْ بِسَفْرِ الظَّاھِرِ وَلَمْ یَزْدِدْ مِنِّی اِلَّا بُعْدًا فِیْ سَفَرِ الظَّاھِرِ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! جو کوئی میرے سفر سے باطن میں محروم کر دیا گیا وہ خود سفر ظاہر میں مبتلا کر دیا گیا اور میری طرف سے اس پر سوائے دوری سفر ظاہر کر کے اور کچھ زیادہ نہ کیا جائے گا،

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ الْاِتِّحَادُ حَالٌ لَا یُعَبَّرُ بِلِسَانِ الْمَقَالِ فَمَنْ اٰمَنَ بِہٖ قَبْلَ وُجُوْدِ الْحَالِ فَقَدْ کَفَرَ وَ مَنْ اَرَادَ الْعِبَادَۃَ بَعْدَ الْوَصُوْلِ فَقَدْ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! اتحاد وہ حال ہے جس کی تعبیر گفتگو کرنے والی زبان سے نہیں ہو سکتی۔ پس جس کسی نے حال وارد ہونے سے پہلے اس کو تسلیم کرلیا وہ کافر ہو گیا اور جس کسی نے واصل ہونے کے بعد عبادت کا ارادہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ مَنْ سَعِدَ بِالسَّعَادَۃِ الْاَزْلِیَّۃِ طُوْبٰی لَہٗ لَمْ یَکُنْ مَخْذُوْلاً اَبَدًا وَمَنْ شَقِیَ بِالشَّقَاوَۃِ الْاَزْلِیَّۃِ فَوَیْلٌ لَّہٗ لَمْ یَکُنْ مَقْبُوْلاً بَعْدَ ذَالِکَ قَطُّ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! جو کوئی سعادت ازلیہ (مقدر) سے سعید ہوا اس کے لئے خوشی ہے وہ کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گا اور جو کوئی بد بختی ازلیہ سے بد بخت ہو ا پس اس پر افسوس ہے۔وہ اس کے بعد ہر گز قبول نہ ہو گا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ جَعَلْتُ الْفَقْرَ وَ الْفَاقَہَ مُطِیَّۃَ الْاِنْسَانِ فَمَنْ رَکَبِھَا فَقَدْ بَلَغَ الْمَنْزِلَ قَبْلَ اَنْ یَقْطَعَ الْمَفَاوِزَ وَالْبَوَادِیْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! میں نے فقر و فاقہ انسان کے لیے سواری بنائی ہے۔پس جو کوئی اس پر سوار ہو اپس وہ میدان اور وادی قطع کرنے سے پہلے ہی (منزل مقصود) پر پہنچ گیا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ لَوْ عَلِمَ الْاِنْسَانُ مَا کَانَ بَعْدَ الْمَوْتِ مَا تَمَنّٰی الْحَیَاۃَ فِیْ الدُّنْیَا وَ یَقُوْلَ بَیْنَ یَدَیَ کُلِّ لَحْظَۃٍ وَ لَمْحَۃٍ یَا رَبِّ اَمِتْنِیْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! اگر انسان جانے کہ موت کے بعد کیا کچھ ہو گا تو اس دنیا میں ہر گز زندگی کی خواہش نہ کرے اور میرے حضور ہر لحظہ و ہر لمحہ یہی التجا کرے ، اے رب مجھے موت دو

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ حُجَّۃُ الْخَلَاءِق عِنْدِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الْصُمُّ اَلبکْمُ الْعُمیُ ثُمَّ التَّحَسَرُ وَ الْبکَآءُ وَ فِیْ قَبْرِ کَذَالِکْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! قیامت کے دن خلقت کے دلائل میرے پاس بہرا، گونگااور اندھا ہونا پھر افسوس کرنا اور رونا ہو گا اور قبر میں بھی ایسا ہی ہو گا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَلْمُحَبَۃُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْمُحِبِّ وَ الْمَحْبُوْبِ فَاِذَا فَنَی الْمُحِبُّ عَنْ مُحَبَّۃِ وَصَلَ بِالْمَحْبُوْبِ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! محبت ہی میرے اور محب و محبوب کے درمیان (ذریعہ ہے) جس وقت محب محبت سے فنا ہو جاتا ہے تو محبوب سے مل جاتا ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ رَاءَ یْتُ الْاَرْوَاحَ یَتَرَبَّصُوْنَ فِیْ قَوَالِبِھِمْ بَعْدَ قَوْلِہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اِلٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! میں روحوں کو اپنے مکانات میں الست بربکم کہنے کے بعد قیامت کے روز تک انتظار کرتے دیکھ رہا ہوں۔

ثُمَ قَالَ الْغَوْثُ رَاءَ یْتُ الرَّبَّ تَعَالیٰ وَ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الْاَعْظَمُ مَنْ سَئَالَنِیْ عَنِ الرُوْیَۃِ بَعْدَ الْعِلْمِ فَھُوَ مَحْجُوْبٌ بِعِلْمِ الرُوْیَۃِ فَمَنْ ظَنَّ اَنَّ الرُوْیَۃَ غَیْرَ الْعِلْمِ فَھُوَ مَغْرُوْرٌبِرُوْیَۃِ اللّٰہِ تَعَالیٰ۔

ترجمہ: پھر غوث نے فرمایا میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! جس کسی نے دیدار کے متعلق علم ہونے کے بعد سوال کیا وہ دیدار کے علم سے محجوب ہے اور جس کسی نے بغیر علم کے دیدار کا گمان کیا پس وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے دھوکہ میں ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ مَنْ رَاٰنِیْ اُسْتُغْنِیَ عَنَ السُّوالِ فِیْ کُلِّ حَالِ وَ مَنْ لَمْ یرَنِیْ فَلَا یَنْفَعْہُ السُّوالُ وَ ھُوَ مَحْجُوْبُ بِاْلمقَالِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الا عظم! جس نے مجھے دیکھ لیا وہ تمام حالتوں میں سوال سے بے پرواہ ہو گیا اور جس نے مجھے نہیں دیکھا تو اس کو سوال کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور قیل و قال میں ہی گم ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ لَیْسَ الْفَقِیْرُ عِنْدِیْ مَنْ لَیْس لَہٗ شَیْءٌ بَلِ الْفَقِیْرَ الَّذِیْ لَہٗ اَمْرُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ اِذَا قَالَ لِشَیْءٍ کُنْ فَیکُوْنَ۔

ترجمہ: پھر فرمایا اے غوث اعظم ! میرے نزدیک فقیر وہ نہیں جس کے لیے کوئی چیز نہ ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کا حکم تمام چیزوں میں نافذ العمل ہو۔جب کسی چیز کو کہے ہو جا تو ہو جائے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ لَا اَلْفَۃَ وَلَا نِعْمَۃَ فِیْ الْجَنَانِ بَعْدَ ظَھُوْرِیْ فِیْھَا وَلَا وَ حْشَۃَ وَلَا حُرْقَۃَ فِیْ النَّارِ بَعْدَ خِطَا بِیْ لِاَ ھْلِھَا

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا کوئی خواہش اور نعمت بہشت میں میرے دیدار کے بعد اور کوئی خوف اور کوئی تپش یا جلن دوزخ میں وہاں رہنے والوں کو میرے بلانے کے بعد باقی نہ رہے گی۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَنَا اَکْرَمُ مِنْ کُلِّ کَرِیْمِ وَ اَنَا اَرْحَمُ مِنْ کُلِّ رَحِیْم۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث اعظم ! میں سب بخشش کنندگان سے زیادہ بخشش کرنے والا اور سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ نَمْ عِنْدِیْ لَا کَنَوْمِ الْعَوَّامِ تَرَنِیْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! میرے لئے نیند کر مگر نہ اس طرح کی نیند کہ جیسے عوام کی تو دیکھتا ہے۔

فَقُلْتُ یَا رَبِّ کَیْفَ اَنَامُ عِنْدِکَ قَالَ بِخَمُوْدِ الْجِسْمِ عَنِ اللَّذَّاتِ وَ خَمُوْدِ النَّفْسِ عَنِ الشَّھْوَاتِ وَ خَمُوْدِ الْقَلْبِ عَنِ الْخَطَرَاتِ وَ خَمُوْدِ الرُّوْحِ عَنِ اللَّحْظَاتِ فِیْ فَنَاءِ ذَاتِکَ فِیْ اللَّذَّاتِ

ترجمہ: پس میں نے عرض کیا میں تیرے نزدیک کس طرح نیند کروں؟ فرمایا کہ جسم لذتوں سے اور نفس شہوتوں سے اور دل خیالات سے اور روح ما سوی اللہ کے ملاحظہ سے تیری ذات کے اندر اپنی ذات کو فنا کرنے کی غرض سے آرام پکڑ جائے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ قُلْ لِّاَ صْحَابِکَ وَ اَحْبَابِکَ مَنْ اَرَادَ مِنْکُمْ جَنَابِیْ فَعَلَیْهِ بِاِخْتِیَارِ الْفَقْرِ ثُمَّ فَقْرُ الْفَقْرِ فَاِذَا تَمَّ الْفَقْرُ ثُمَّ اِلاَّ اَنَا

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، اے غوث الاعظم! اپنے دوستوں اور ہم مجلسوں کو کہہ دیں کہ جو میری حضوری کا ارادہ کرے پس اس پر فقر اختیار کرنا لازم ہے۔اس کے بعد فقر الفقر، پس جب فقر تمام ہو جائے وہاں کوئی نہیں ہوتا مگر میں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ طُوْبیٰ لَکَ اِنْ کُنْتَ رَءُوفًا عَلیٰ بَرِیَّتِیْ وَ طُوْبیٰ لَکَ اِنْ کُنْتَ غَفُوْرًا لِبَرِیَّتِیْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، اے غوث الاعظم! تجھے مبارک ہو اگر تو میری مخلوق پر مہربان ہو اور تجھے خوشخبری ہو اگر تو میری خلقت کے لیے درگزر کرنے والا ہو۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ قُلْ لِاَحْبَابِکَ وَ اَصْحَابِکَ اغْتَنِمُوْ ا دَعْوَۃَ الْفُقَرَاءِ فَاِنَّھُمْ عِنْدِیْ وَاَ نَا عِنْدَھُمْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم! اپنے دوستوں اور یاروں سے کہہ دیں کہ فقراء کی دعوت کو غنیمت جانیں کیونکہ وہ میرے پاس رہتے ہیں اور میں ان کے پاس۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَنَا مَاْ وٰی کُلِّ شَیْئِیٍ وَ مَسْکَنُہٗ وَ مَنْظَرُ ہٗ وَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ۔

ترجمہ: پھر فرمایا، یا غوث الاعظم ! میں تمام چیزوں کی جائے پناہ اور جائے اطمینان اور جائے نظارہ ہوں اور میری طرف پھر آنا ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ لَا تَنْظُرْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَمَا فِیْھَا تَرَانِیْ بِلَا وَاسِطَۃِ وَلَا تَنْظُرْ اِلَی النَّارِ وَ مَا فِیْھَاتَرَانِیْ بِلَا وَاسِطَۃِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظم! بہشت اور جو کچھ اس میں ہے اس کو مت دیکھ تو تُو مجھے بلا تعلق دیکھے گا اور دوزخ اور جو کچھ اس میں ہے کو مت دیکھ تو تُو مجھے بلا تعلق دیکھے گا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ مَشْغُوْ لُوْنَ بِالْجَنَّۃِ وَ اَھْلُ النَّارِ مَشْغُوْلُوْنَ لِیْ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، اے غوث الاعظم ! اہل بہشت (نعمت ہائے) بہشت کے ساتھ مشغول ہیں اور اہل دوزخ میرے ساتھ مشغول ہیں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ بَعْضُ اَہْلُ الْجَنَّۃِ یَتَعُوْذُوْنَ مِنَ النَّعِیْمِ کَاَھْلِ النَّارِ یَتَعُوْذُوْنَ مِنَ الْجَحِیْمُ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم! بعض بہشتی نعمتوں سے اس طرح پناہ مانگتے ہیں جس طرح اہل دوزخ آگ سے پنا ہ مانگتے ہیں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ مَنْ شُغِلَ بِسوَانِی کَانَ لِصَاحِبِہ زُنَّارَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! جو کوئی میرے سوا کسی اور سے مشغول ہو ا تو وہ قیامت کے روز اہل زنجیر سے ہو گا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَہْلُ الْقُرْبَۃِ یَسْتَغِیْثُوْنَ مِنَ الْقُرْبَۃِ کَمَا اَنَّ اَہْلَ الْبُعْدِ یَسْتَغِیْثُوْنَ مِنَ الْبُعْدِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! اہل قرب قربت سے اسی طرح پناہ مانگتے ہیں جس طرح اہل بُعد دوری سے پناہ مانگتے ہیں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اِنَّ لِیْ عِبادًا سَوِی الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ لاَ یُطّلِعُ عَلیٰ اَحْوَالِھِمْ اَحَدٌ مِّنْ اَھْلِ الدُّنْیَا ولاَ اَحَدٌ مِنْ اَھْلِ الْاٰ خِرَۃِ ولَا اَحَدٌ مِنْ اَھْلِ الْجَنّۃِ ولَا اَحَدٌ مِنْ اَھْلِ النّا رِ وَ لَا مَالِکٌ ولَا رِضْوَانٌ ولِا جَعَلْتُھُمْ لِلْجَنّۃِ ولاَ لِلنّارِ ولَا لِلثّوَابِ ولَا لِلْعِقَابِ ولَا لِلْحُوْرِ ولاَ لِلْقُصُوْرِ ولَا لِلْغُلْمَانِ فَطُوْبیٰ لِمَنْ اٰمَنَ بِھِمْ وَ اِنْ لَمْ یَعْرِفُھُمْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! انبیا اور مرسلین کے علاوہ میرے ایسے بندے بھی ہیں کہ ان کے حالات سے کوئی اہل دنیا یا اہل آخرت یا اہل جنت یا اہل دوزخ نہ مالک نہ رضوان ہی واقف ہے ان کو نہ ہی جنت کے لئے اورنہ ہی دوزخ کے لیے نہ ثواب کے لیے نہ عذاب کے لیے نہ حور نہ قصور کے لیے نہ غلمان کے لیے ہی بنایا ہے پس اس کو خوشی (مبارک) ہو جو ان پر یقین لایا اگرچہ ان کو پہچانا نہیں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ وَ اَنْتَ مِنْھُمْ وَ مِنْ عَلَا مَاتِھِمْ فِیْ الدُّنْیَا اَجْسَامُھُمْ مُحْتَرِقَۃٌ مِنْ قِلّۃِ الطّعَامِ وَالشّرَابِ وَ نُفُوْسُھُمْ مُحْتَرِقَۃٌ عَنِ الشّھْوَاتِ وَ قُلُوْبُھُمْ مُحْتَرِقَۃٌ عَنِ الْخَطَرَاتِ وَ اَرْوَاحُھُمْ مُحْتَرِقَۃٌ عَنِ اللّحْظَا تِ وَ ھُمْ اَصْحَابِ الْبَقَاءِ الْمُحْتَرِقِیْنَ بِنُوْرِ اللّقَاءِ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! تو ان سے ہے اور ان کی علامات دنیا میں یہ ہیں

کہ ان کے جسم کھانے پینے کی کمی سے اوران کے نفس خواہشات نفسانی سے اور ان کے دل وساوسِ قلبی سے اور ان کے ارواح لذات سے جل چکے ہیں۔
اور وہ حیات ابدی ہیں جو دیدار کے نور سے جل چکے ہیں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اِذَا جَاءَکَ عَطْشَانُ فِیْ یَوْمِ شَدِیْدِ الْحَرِّ وَ اَنْتَ صَاحِبُ الْمَاءِ الْبَارِدِ وَلَیْسَ لَکَ حَاجَۃٌ بِالْمَاءِ فَلَوْ کُنْتَ تَمْنَعُہٗ فَاَنْتَ بْخَلُ الْبَاخِلِیْنَ فَکَیْفَ اَمْنَعُھُمْ مِنْ رَحْمَتِیْ وَاَنَا سَجَّلْتُ عَلٰی نَفْسِیْ بِاَنِّیْ اَرْحَمُ الرَّحِمِیْنَ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! اگر سخت گرمی کے روز کوئی پیاسا تیرے پاس آئے اور تیرے پاس ٹھنڈا پانی موجود ہو اور تجھے ضرورت بھی اس کی نہ ہو پس اگر تو اس سے پانی روک رکھے تو تُو کنجوسوں سے سب سے زیادہ کنجوس ہے۔
پس میں کیسے اپنی رحمت سے ان کو روک رکھوں جبکہ میں نے اپنے بارے میں لکھ دیا ہے (مہر کر دیا ہے) کہ میں سب سے زیادہ رحیم ہوں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ مَا بُعْدَ عَنِّیْ اَحَدٌ مِنْ اَھْلِ الْمَعَاصِیْ وَمَا قُرْبَ اَحَدُ مِنِّیْ مِنْ اَھْلِ الطَّاعَاتِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! گنہگاروں سے ایک بھی مجھ سے دور نہیں اور نہ ہی پرہیز گاروں سے ایک بھی میرے قریب ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ لَوْ قَرْبَ مِنِّی اَحَدٌ لَکَانَ مِنْ اَھْلِ الْمَعَاصِیْ لِاَنَّھُمْ اَصْحَابُ الْعِجْزِ وَالنَّدَمْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا اے غوث الاعظم ! اگر کسی نے میرا قرب حاصل کیا تو وہ گنہگاروں سے ہو گا اس لئے کہ وہ عاجزوں اور شرمساروں سے ہیں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَلْعِجْزُ مَنْبَعُ الْاَنْوَارِ وَالْعُجْبُ مَنْبَعُ الظُّلْمَۃِ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! عاجزی انوار کا خزانہ ہے اور تکبر اندھیروں کا سرچشمہ۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَھْلُ الْمَعَاصِیْ مَحْجُوْبُوْنَ لِلْمَعَاصِیْ وَ اَھْلِ الطَّاعَاتِ مَحْجُوْبُوْنَ بِالطَّاعَاتِ وَ لِیْ وَرَآءَ ھُمْ قَوْمٌ اُخْرُوْنَ لَیْسَ لَھُمْ غَمٌّ الْمَعَاصِیْ وَلاَ ھَمٌّ الطَّاعَاتِ۔

ترجمہ: پھر مجھ فرمایا ، یا غوث الاعظم ! گنہگار گناہوں کے باعث اور پرہیزگار اطاعت و عبادات کی وجہ سے مجھ سے محجوب (دور) ہیں اور میرے لیے ان کے علاوہ ایک اور قوم (گروہ) ہے جس کو نہ گناہوں کا غم ہے نہ عبادات و زہد کا فکر ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ بَشِّرِ الْمُذْنِبِیْنَ بِالْفِضْلِ وَ الْکَرَمِ وَ بَشِّرِ الْمُعْجِبِیْنَ بِالْعَدْلِ وَ النِّقَمْ

ترجمہ: پھر فرمایا یا غوث الاعظم ! گنہگاروں کو میرے فضل و کرم کی اور متکبروں کو عدل و انتقام کی خوشخبری سنا دو۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَهْلُ الطَّاعَاتِ یَذْکُرُوْنَ النَّعِیْمِ وَ اَهْلَ الْعِصْیَانِ یَذْکُرُوْنَ الرَّحِیْم۔

ترجمہ: پھر فرمایا یا غوث الاعظم ! نیکو کار و فرمانبردار نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں اور گنہگار رحم کرنے والے کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَنَا قَرِیْبُ اِلَی الْمَعَاصِیْ بَعْدَ مَا یَفْرَغُ مِنَ الْعِصْیَانِ وَ اَنَا بَعِیْدُ مِنْ الْمُطِیْعِ اِذَا فَرَغَ مِنَ الطَّاعَاتِ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم! میں گنہگار کے نزدیک ہو جاتا ہوں جب وہ گناہوں سے فارغ ہو جاتا ہے اور اس تابعدار سے دور ہو جاتا ہوں جو تابعداری چھوڑ دیتا ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ خَلَقْتُ الْعَوَامَ فَلَمْ یُطِیْقُوْا نُوْرَ بِھَانِیْ فَجَعَلْتُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَھُمْ حِجَابَ الظُّلْمَۃِ وَ خَلَقْتُ الْخَوَاصَ فَلَمْ یُطِیْقُوْا مُجَاوَرَتِیْ فَجَعَلْتُ الْاَنْوَارُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَھُمْ حِجَاباً۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! میں نے عام لوگوں کو پیدا کیا جب وہ میرے نور کی روشنی برداشت نہ کر سکے تو اپنے اور ان کے درمیان اندھیرے کا پردہ بنا دیا اور خاص لوگوں کو پیدا کیا جب انہوں نے میری نزدیکی برداشت نہ کی تو میں نے اپنے اور ان کے درمیان انوار کا پردہ بنا دیا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ قُلْ لاَ صْحَابِکَ مَنْ اَرَادَمِنْھُمْ اَنْ یَصِلَ اَلَیَّ فَعَلَیْہِ بِالْخُرُوْجِ عَنْ کُلِّ شَیْءٍ سِوَانِیْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! اپنے دوستوں سے کہہ دیں کہ تم میں سے جو کوئی مجھے ملنے کا ارادہ کرے پس اس پر لازم ہے کہ میرے سوا تمام کا خیال دل سے نکال دے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اُخْرُجْ عَنْ عُقْبَۃِ الدُّنْیَا تَصِلْ بِالْاٰخِرَۃِ وَ اخْرُجْ عَنْ عَقْبَۃِ الْاٰخِرَۃِ تُصِلْ اِلَیَّ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! دنیا کی گھاٹی سے نکل ، آخرت سے پیوند ہو جا

اور آخرت کی گھاٹی سے نکل کر میری طرف واصل ہو جا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اُخْرِجْ عَنِ الْاَجْسَامِ وَ النُّفُوْسِ ثُمَّ اُخْرُجْ عَنِ الْقُلُوْبِ وَ لْاَرْوَاحِ ثُمَّ اُخْرُجْ مِنَ الْحُکْمِ وَالْاَمْرِ تَصِلُ اِلَیَّ فَقُلْتُ یَا رَبِّ اَیُّ صَلٰوۃِ اَقْرَبُ اِلَیْکَ قَالَ الصَلٰوۃُ الَّتِی لَیْسَ فِیْھَا سَوَاءِی وَ الْمُصَلِّی عَنْھَا غَاءِبُ ثُمَّ قُلْتَ اَیُّ صَوْمِ اَفْضَلُ عِنْدِکَ ، قَالَ الصَّوْمُ الَّذِیْ لَیْسَ سِوَانِیْ وَ الصَّاءِمُ عَنْہُ غَاءِبْ ، ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ عَمَلِ اَفْضَلُ عِنْدِکَ قَالَ الْعَمَلُ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْھِمْ سِوَانِیْ مِنْ الْجَنَّۃِ وَ النَّارِ وَصَاحِبُہٗ عَنْہٗ غَاءِبْ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ بِکَاءِ اَفْضَلُ عِنْدِکَ قَالَ بُکَاءُ الضَّاحِکِیْنَ۔ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ ضَحِکِ عِنْدِکَ اَفْضَلُ ، قَالَ ضَحِکُ الْبَاکِیْنَ۔ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ تَوْبَۃِ اَفْضَلُ عِنْدِکَ ، قَالَ تَوْبَۃُ الْمَعْصُوْمِیْنَ ثُمَّ قُلْتُ اَیُّ عِصْمَۃِ اَفْضَلُ عِنْدِکَ قَالَ عِصْمَۃُ التَّاءِبِیْنَ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا ، یا غوث الاعظم ! جسموں اور نفسوں سے پھر دل اور روحوں سے پھر حکم اور امر سے نکل کر مجھ سے واصل ہو جاؤ۔ پس میں نے عرض کیا، اے رب العالمین ! کونسی نماز تیرے نزدیک لاتی ہے؟ فرمایا ، وہ نماز جس میں میرے سواء اور کچھ نہ ہو اور نماز ادا کرنے والا اس میں خود بھی غائب ہو۔ پھر میں نے عرض کیا۔ کونسا روزہ تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا وہ کہ جس میں میرے سواء

کچھ نہ ہو اور روزہ دار اس میں خود بھی غائب ہو۔ پھر میں نے عرض کیا کون سا عمل تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا وہ عمل جس میں میرے سواء بہشت اور دوزخ سے بھی کچھ نہ ہو اور صاحب عمل خود بھی اس میں غائب ہو۔ پھر میں نے عرض کیا کون سا رونا تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا ہنسنے والوں کا رونا۔ پھر میں نے عرض کیا کون سا ہنسنا تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا رونے والوں کا ہنسنا۔ پھر میں نے عرض کیا کون سی توبہ تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا پاکوں کی توبہ، پھر میں نے عرض کیا کون سی پاکیزگی تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا توبہ کرنے والے کی پاکیزگی۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ لَیْسَ لِصَاحِبِ الْعِلْمِ عِنْدِیْ سَبِیْلُ اِلَّا بَعْدَ اِنْکَارِہ لِاَنَّہٗ لَوْ تَرَکَ الْعِلْمَ عِنْدَہٗ صَارَ شَیْطَانًا۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا یا غوث الاعظم ! صاحب علم کا میرے نزدیک کوئی راستہ نہیں مگر جب اس سے (علم سے) انکار کر جائے اس لئے کہ اگر علم اس سے ترک ہو جائے تو شیطان ہو جاتا ہے۔

قَالَ الْغَوْثُ رَاءَ یْتُ عَزَّ سُلْطَانُہٗ فَسَاءَ لْتُہٗ یَا رَبِّ مَا مَعْنِی الْعِشْقِ قَالَ الْعِشْقُ حِجَابُ بَیْنَ الْعَاشِقِ وَالْمَعْشُوْقِ۔

ترجمہ: غوث اعظم نے فرمایا میں نے دیکھا اللہ جل شانہ کو، پس سوال کیا آپ سے یا رب ! عشق کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا عشق بھی عاشق اور معشوق کے درمیان ایک پردہ ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اِذَا اَرَدْتُ التَّوْبَۃَ فَعَلَیْکَ بِاَخْرَاجِ ھُمِّ الذَّنْبِ عَنِ النَّفْسِ ثُمَّ بِاِخْرَاجِ الْخَطْرَاتِ مِنَ الْقَلْبِ تَصِلُ اِلَیَّ وَ اِلَّا فَاَنْتَ مِنَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! جب تو توبہ کا ارادہ کرے پس تجھے چاہئے کہ گناہوں کا خوف و غم وجود سے نکال دے۔ پھر وسوسوں کو دل سے نکال کر مجھ سے واصل ہو جا ورنہ تو ٹھٹھا کرنے والوں میں سے ہو گا۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اِذَا اَرَدْتَ اِنْ تَدْخُلَ حَرَمِیْ فَلَا تَلْتَفِتُ بِالْمُلْکِ وَ الْمَلَکُوْتِ وَلَابِالْجَبْرُوْتِ لَاَنَّ الْمُلْکَ شَیْطَانُ الْعَالِمِ وَ الْمَلَکُوْتَ شَیْطَانُ الْعَارِفِ وَ الْجَبْرُوْتَ شَیْطَانُ الْوَاقِفِ فَمَنْ رَضِیَ بِوَاحِدِ مِنْھَا فَھُوَ عِنْدِیْ مِنَ الْمُطْرُوْدِیْنَ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، اے غوث الاعظم ! جب تو میرے گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو تو ہرگز ملک اور ملکوت اور جبروت کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ عالم

شہود (ظاہری) مخلوقات کا شیطان ہے اور عالم ملکوت عارفوں کا شیطان ہے اور عالم احدیت واقفوں کا شیطان ہے۔پس جو کوئی ان میں سے کسی ایک پر بھی راضی ہو گیا وہ میرے نزدیک دور ہونے والوں سے ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَلْمُجَاھِدَۃُ بَحْرُمِنْ مُشَاھِدَۃَ وَ حِیْتَانُہُ الْوَاقِفُوْنَ فَمَنْ اَرَادَ الدَّخُوْلُ فِیْ بَحْرِ الْمُشَاھِدَۃَ فَعَلَیْہِ بِاِخْتِیَارِ الْمُجَاھِدَۃَ لِاَنَّ الْمُجَاھِدَۃَ بَدْرُالْمُشَاھِدَۃَ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، اے غوث الاعظم ! مجاہدہ مشاہدے کاایک سمندر ہے اور واقف کار اس کی مچھلیاں ہیں پس جو کوئی مشاہدہ کے سمندر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے۔اس پر لازم ہے کہ مجاہدہ اختیار کرے کیونکہ مجاہدہ مشاہدہ کا بیج ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ لَا بُدَّ لِلطَّالِبِیْنَ مِنَ الْمُجَاھِدَۃِ کَمَا لَا بُدَّ لَھُمْ مِنِّی۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! طالبان حق کے لئے مجاہدہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں جیسا کہ ان کو میرے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اِنَّ اَحَبَّ الْعِبَادِ اِلَیَّ عَبْدِی الَّذِی

كَانَ لَهُ وَالِدُ وَوَلَدُ وَقَلْبُهُ فَارِغُ مِنْهُمَا بِحَيْثُ لَو مَاتَ لَهُ الْوَالِدُ فَلَا يَكُوْنَ لَهُ حُزْنُ بِمَوتِ الْوَالِدِ وَلَوْ مَاتَ لَهُ الْوَالَدُ فَلَا يَكُوْنُ لَهُ هَمّ الْوَلَدِ فَاِذَا بَلَغَ الْعَبْدُ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةَ فَهُوَ عِنْدِیْ بِلَا وَالِدِ وَلَا وَلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوْ ا اَحَدُ۔

ترجمہ: پھر فرمایا، اے غوث الاعظم! میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب بندہ میرے نزدیک وہ ہے جس کا باپ بھی موجود ہو اور بیٹا بھی اور دل اس کا ہر دو سے فارغ ہو اس حثیت سے کہ اگر اس کا باپ مر جائے تو اس کو باپ کی وفات پر کوئی غم محسوس نہ ہو اور اگر بیٹا فوت ہو جائے تو بھی بیٹے کے مرنے کا غم لاحق نہ ہو۔پس جب بندہ اس منزل پر چڑھ جائے تو وہ میرے نزدیک بلا باپ اور بیٹے کے ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

ثُمّ قَالَ لِیْ يَا غَوْثُ الاَعْظَمُ مَنْ بَذُقْ فَنَاءَ الْوَالِدِ بِمُحَبّتِیْ وَفَنَاءَ الْوَلَدِ بِمُودّتِیْ لَمْ يَجِدْلَذّةَ الْوَحْدَانِيّةِ وَ الْفَرْدَانِيّةِ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، اے غوث الاعظم ! جس نے میری محبت کے ہوتے باپ کے مرنے کو اور میری دوستی کے ہوتے بیٹے کے مرنے کو محسوس کیا۔اس نے واحدانیت اور فردانیت کی لذّت نہ پائی۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَنْظُرَ اِلَیَّ فِیْ مَحَلِّ فَا خْتَرْ قَلْباً فَارِ غَا عَنْ سِوَائِیْ۔

ترجمہ: پھر فرمایا، یا غوث الاعظم ! جب تو کسی محل میں میری طرف دیکھنے کا ارادہ کرے۔ پس تو دل کو میرے غیر سے فارغ کر دے۔

فَقُلْتُ یَا رَبِّ مَا عِلْمُ الْعِلْمِ قَالَ عِلْمُ الْعِلْمِ هُوَ الْجَهْلُ عَنِ الْعِلْمِ۔

ترجمہ: پھر میں نے عرض کیا، علم العلم کیا ہے؟ فرمایا علموں کا علم تمام علموں سے لا علمی ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ طُوْبٰی لِعَبْدِ مَالَ قَلْبُهٗ اِلَی الْمُجَاهِدَۃِ وَ وَیْلُ لِّعَبْدِمَالَ قَلْبُهٗ اِلَی الشَّهْوَاتِ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم ! اس آدمی کو بشارت ہو جس کا دل مجاہدہ کی طرف مائل ہو اور اس شخص پر افسوس ہے جس کا دل خواہشات نفسانیہ کی طرف مائل ہو۔

قَالَ الْغَوْثُ: سَاءَ لْتُ الرَّبَّ تَعَالٰی عَنِ الْمِعْرَاجِ قَالَ هُوَ الْعُرُوْجُ عَنْ کُلِّ شَیْءِ سِوَائِیْ وَکَمَالَ الْمِعْرَاجُ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی

ترجمہ: غوث الاعظم نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے معراج کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا کہ وہ میرے سوائے تمام چیزوں سے بلند ہو جانا ہے اور معراج کا کمال "نہ آنکھ جھپکی اور نہ بہکی" کا مصداق ہونا ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَا مِعْرَاجَ لَہٗ عِنْدِیُ

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، یا غوث الاعظم! میرے نزدیک وہ نماز نہیں ہے جس میں معراج نہیں ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا غَوْثُ الاَعْظَمُ اَلْمَحْرُوْمُ عَنِ الصَّلٰوۃِ ھُوَ الْمَحْرُوْمُ عَنِ الْمِعْرَاجِ عِنْدِیْ۔

ترجمہ: پھر مجھے فرمایا، اے غوث الاعظم! جو نماز سے محروم ہے وہ میرے نزدیک معراج سے بھی محروم ہے۔

اِلٰی ھُنَا تَمَّتِ الْغَوْثِیَّۃُ وَتُسَمّٰی الْمِعْرَاجِیَّۃُ بِتَوْفِیْقِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَزَّ سُلْطَانُہٗ

حضرت مرشدی پیر سید طاہر علاوالدینؒ القادری الگیلانی البغدادی

(تذکرہ قادریہ)

منقبت

حضرت الشیخ سیدنا عبد القادر الجیلانی

الحسنی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبلہ اہل صفا حضرت غوث الثقلین
دستگیرِ ہمہ جا حضرت غوث الثقلین

یک نظر از تو بُود در دوجہاں بس مارا
نظرے جانب ما حضرت غوث الثقلین

خاکپائے تو بود روشنی اہل نظر
دیدہ را بخش ضیا حضرت غوث الثقلین

حضرت کعبہ حاجات ہمہ خلقانست
حاجتم ساز روا حضرت غوث الثقلین

مردہ دل گشتم و نام تو محی الدین است
مردہ را زندہ نما حضرت غوث الثقلین

(حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ)

دُعا

الٰہی رحم فرما حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کیواسطے

یا رسول اللہ ﷺ کرم کیجئے خدا کیواسطے

مشکلیں حل کر مولا علیؑ مشکل کشا کیواسطے

کربلائیں دور امام حسینؓ شہید کربلا کیوسطے

شوق عبادت بخش صدقہ امام زین العابدینؒ و محمد باقرؒ

علم دے جعفرؒ صادق و موسیٰ کاظم علم ھدیٰ کیواسطے

فضل فرما صدقہ امام علیؒ رضا و معروف کرخیؒ

سری سقطیؒ و جنیدؒ بغدادی برھان الاصفیا کیواسطے

عشق عطا کر بحق ابو بکر شبلیؒ و عبد الواحدؒ

ابو الفرح طرطوسیؒ و شیخ ابو الحسنؒ جمال اولیا کیواسطے

کر قادری صدقہ سید مبارک محزومیؒ قادریوں میں رکھ

سید عبد القادر جیلانیؒ نور مصطفےٰ ﷺ کیواسطے

کرم فرما صدقہ سید عبد الوہابؒ و سید صفی الدینؒ
ابو العباس احمدؒ وحضرت مسعودؒ تاج الاصفیا کیواسطے

با عمل کر بطفیل سید علیؒ و سید امیر شاہؒ
شیخ شمس الدینؒ و محمد غوثؒ گیلانی غوث الوریٰ کیواسطے

دوئی دور کر صدقہ سید مبارک شاہؒ و شاہ معروفؒ
شاہ سلیمان نوریؒ و نوشہ گنج بخشؒ گنج سخا کیواسطے

پلا جام عشق، اے مالک ارض و سما
سید محمد صالحؒ و سید جعفر علی شاہؒ بدر العلیٰ کیواسطے

زہد و تقویٰ بخش بطفیل شاہ بھولاؒ و سید محمد اشرفؒ
سید محکم شاہؒ و شاہ حسینؒ بے ریا کے واسطے

حب اہلبیت دے بطفیل لعل حسین و سید سردار شاہؒ
صدق و وفا دے سید سیف اللہ گیلانی خوش ادا کیواسطے

بخش اپنی محبت اور محبت رسول ﷺ
حسنینؓ کے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ کیواسطے

شجرہ طریقت قادریہ (منظوم)

کس نہ دانست کہ منزلگہ آں یار کجا است
ایں قدر ہست کہ بانگ جرس می آید

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم
(شیخ سعدیؒ)

والسلام
احمد علی رضا قادری

الحمدللہ 30 ربیع الثانی بروز ہفتہ 24 مارچ 2012ء کھاریاں

کتابیات

۱۔ قرآن مجید

۲۔ احادیث مبارکہ

۳۔ مرقاۃ السالکین شرح مراۃ العارفین مصنف سیدنا امام حسین شہید کربلا علیٰ جدہ وعلیہ السلام زاویہ پبلشر لاہور

۴۔ تحفہ مرسلہ شریف مصنف شیخ ابو سعید محمد مبارکؒ بن شیخ علی المعروف بہ فضل اللہ معزمی السلمی قدس سرہ مکتبہ سیرت فاونڈیشن لاہور۔

۵۔ مثنوی مولوی معنوی تصنیف سلطان المشائخ رئیس العارفین حضرت مولانا محمد جلال الدین رومیؒ

۶۔ وحدۃ الوجود مئولفہ سید طاہر بخاری المعارف گنج بخش روڈ لاہور

۷۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق تصنیف لطیف حضرت سید پیر مہر علی شاہؒ صاحب نور اللہ مرقدہ گولڑہ شریف مقام اشاعت گولڑہ شریف، ضلع اسلام آباد

۸۔ طواسین تصنیف لطیف حضرت حسین بن منصور حلاجؒ تصوف فاونڈیشن لاہور

۹۔ التدبیرات الالھیۃ تالیف شیخ اکبر محی الدین محمد ابن عربیؒ ابن عربی فاونڈیشن لاہور

۱۰۔ فتوحات مکیہ تالیف شیخ اکبر محی الدین محمد ابن عربیؒ ابن عربی فاونڈیشن لاہور

۱۱۔ فصوص الحکم تالیف شیخ اکبر محی الدین محمد ابن عربیؒ نذیر سنز پبلشرز لاہور

۱۲۔ ترغیب العلم والعرفان فی شرح فصوص الحکم والایقان شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ
علم و عرفان پبلشرز لاہور۔
۱۳۔ شجرۃ الکون تالیف شیخ اکبر محی الدین محمد ابن عربیؒ علی برادران جھنگ بازار فیصل آباد
۱۴۔ لوائح تصنیف مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامیؒ تصوف فاونڈیشن لاہور
۱۵۔ انسان کامل تصنیف سید عبد الکریم بن ابراہیم جیلانیؒ نفیس اکیڈمی کراچی
۱۶۔ الکھف والرقیم سید عبد الکریم بن ابراہیم جیلانیؒ سیرت فاونڈیشن لاہور
۱۷۔ سطعات تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
۱۸۔ لمحات تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
۱۹۔ انفاس العارفین تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نوری کتب خانہ لاہور
۲۰۔ رسائل تصوف تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تصوف فاونڈیشن لاہور
۲۱۔ شرح حجتہ اللہ البالغہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی
سندھ ساگر اکیڈمی لاہور۔
۲۲۔ مکتوب مدنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ
لاہور۔
۲۳۔ تذکرہ قادریہ تصنیف قدوۃ الاولیا شہزادہ غوث الوریٰ شیخ المشائخ النقیب الاشراف
حضور السید طاہر علاوالدین القادری الگیلانی البغدادیؒ

۲۴۔ نظریہ ارتقا ایک فریب مصنف ہارون یحییٰ ادارہ اسلامیات پبلشرز انار کلی لاہور

۲۵۔ تذکرہ حضرت حسین بن منصور حلاجؒ مصنف ڈاکٹر شاہد مختار شاہد پبلیکیشنز لاہور

۲۶۔ کلام شاہ حسین تصنیف حضرت شاہ حسین لاہوری پروگریسو بکس اردو بازار لاہور

۲۷۔ کلیات امدادیہ مصنف حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ دارالاشاعت کراچی

۲۸۔ دعوت ارواح مولف محمد ارشد قادری تصوف فاونڈیشن لاہور

۲۹۔ مقیاس النور مولف مناظر اسلام مولانا محمد عمرؒ اچھروی حامد اینڈ کمپنی لاہور

۳۰۔ تذکرہ سرمد شہیدؒ مصنف ڈاکٹر شاہد مختار شاہد پبلیکیشنز لاہور

۳۱۔ عرفان الٰہی موسومہ بہ آئینہ وحدت مولف ڈاکٹر غلام حسین قادری سروری خزینہ علم وادب اردو بازار لاہور

۳۲۔ قانون عشق تصنیف حضرت بلھے شاہ قادری قصوری شطاریؒ مکتبہ بابا فرید پاکپتن شریف

۳۳۔ عبقات مولانا شاہ اسماعیل دہلوی ترجمہ علامہ سید مناظر احسن گیلانی ادارہ اسلامیات لاہور۔

۳۴۔ تذکرہ حسین بن منصور حلاج مصنف حکیم سید امین الدین احمد قادری سیرت فاونڈیشن لاہور۔

۳۵۔ بہار تصوف یعنی اصرار تصوف سید نجیب اللہ قادری کراچی

۳۶۔ جاوید نامہ شارح یوسف سلیم چشتی عشرت پبلشنگ ہاوس غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

۳۷۔ توحید وحدت الوجود کے تناظر میں مولف ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیف نیازی ویلکم بک پورٹ کراچی۔